پیاس
ایم الیاس

محمد علی خوند کر آج جس عجلت اور خطرناک تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے جا رہے تھے انہوں نے اپنی نوجوانی کے ایام میں بھی کبھی نہیں چلائی تھی۔ وہ اس تیز رفتاری سے جا رہے تھے جیسے کوئی عفریت ان کے تعاقب میں ہو۔ اس روز بھی انہوں نے اس تیزی کے ساتھ گاڑی نہیں چلائی تھی جب مسلح بدمعاش انہیں اغوا کرنے کے لئے ایک جیپ میں تعاقب کر رہے تھے اور ان کی گاڑی پر فائرنگ بھی کی گئی تھی۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ پلک جھپکتے ہی میلوں کا فاصلہ طے کر لیتے۔ انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ کسی بھی لمحے حادثہ رُونما ہو سکتا ہے۔ انہیں کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ وہ دو چوراہوں پر سگنل توڑتے ہوئے نکل گئے تھے۔ وہ اس طرح جا رہے تھے جیسے ریل گاڑی یا ہوائی جہاز کی روانگی کا وقت ہو رہا ہو اور چند لمحوں کی تاخیر سے وہ سوار ہونے سے رہ جائیں گے۔

بات اتنی سی تھی کہ نوادرات کی دکان سے مینجر کا ٹیلی فون آیا تھا کہ کچھ نوادر آئے ہوئے ہیں۔ شام پانچ بجے انہیں فروخت کے لئے رکھ دیا جائے گا۔ نوادرات ان کی بہت بڑی کمزوری تھے۔ وہ جب بھی امریکہ اور یورپ کاروبار کے سلسلے میں گئے وہاں سے واپسی پر بیش قیمت نوادرات خرید کر لاتے رہے تھے۔ ان کے پاس ایک کروڑ سے زائد مالیت کے نوادرات تھے۔ اس کے باوجود ان کی خریداری کا سلسلہ جاری تھا۔

سنار گاؤں شیرٹن ہوٹل کے مقابل انہوں نے اپنی گاڑی پارک کی۔ وہ گاڑی مقفل کرکے دکان کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک دم سے ٹھٹک کے رک گئے۔ اس اثنا میں کسی طرف سے ایک بے حد جوان لڑکی تمام تر ناز و انداز سے نمودار ہوئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس لڑکی کو جس نے بھی دیکھا اسے جیسے سانپ سونگھ گیا۔ اس کی عمر بائیس برس کی ہو گی۔ لطافت و ملاحت میں لاجواب' نک سک سے درست چہرہ جیسے چاند کا ٹکڑا۔

اس کے خوبصورت ریشمی لانبے سیاہ بالوں کی چوٹی بار بار کسی بل کھاتی ہوئی ناگن کی طرح اس کی پیٹھ پر لہرا رہی تھی۔ ایسی چھوٹی پیاری سی ناک تھی اس کی کہ پورے ڈھاکہ شہر میں کسی خوش جمال عورت کے پاس نہ ہوگی۔ اس کی شفاف زیتونی رنگت کے نیچے جیسے پگھلی ہوئی دھوپ بہہ رہی تھی۔ وہ ایک بوسیدہ سا لباس زیب تن کئے ہوئے تھی۔ وہ بے حد اداس، پریشان اور متفکر سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی حسین سیاہ آنکھوں میں ساری دنیا کا غم بھرا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر انہیں ایسا لگا جیسے یہ کسی کھاتے پیتے گھر کی لڑکی تھی لیکن زمانے کی گردش نے اسے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔

وہ بھول گئے کہ وہ یہاں کس لئے آئے ہیں۔ وہ اسے محویت سے اس طرح دیکھتے رہے جیسے وہ کوئی نادر ہو۔ ایک ایسا نادر جو آج تک ان کی نظروں سے نہیں گزرا۔ اس لڑکی میں ایک مقناطیسی کشش تھی جو انہیں اس کی طرف کھینچ رہی تھی۔ جیسے اس لڑکی سے ان کا کوئی رشتہ ہو۔ وہ بیٹی بھتیجی یا بھانجی ہو۔ بظاہر کوئی رشتہ اس سے نہ تھا لیکن اس سے جیسے بہت سارے رشتے ہوں۔

ایک لمحے کے لئے ان کے دل میں ایک انجانا سا خیال آیا۔ کیوں نہ وہ اس "نادر" کو اپنے گھر لے جائیں۔ اسے اپنے ہاں رکھیں۔ اسے ایک بیٹی کی طرح چاہیں۔ اس کے لئے ایک گھنا سایہ بن جائیں۔ اس کے سارے دلدر دور کر دیں جس کی وجہ سے وہ دکھ، درد اور کرب کا شکار نظر آ رہی ہے لیکن کیا اس بات کو اس لڑکی کے گھر والے پسند کریں گے؟ وہ کیا مشکوک نہیں ہو جائیں گے؟ اس لڑکی کے ماں باپ چاہے کتنے ہی غریب کیوں نہ ہوں وہ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ مگر ایسی کون سی صورت اور تدبیر ہو سکتی ہے جس سے وہ اس "نادر" کو اپنے ہاں لے جائیں اور اس کا مستقبل بنا دیں۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ یہ انجان سی خواہش ان کے دل کے کسی کونے میں کس لئے مچل رہی ہے۔

وہ ایک دم چونک پڑے۔ ان کے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ تین مسلح بدمعاشوں نے جو جوان تھے اور کھاتے پیتے گھروں کے دکھائی دے رہے تھے اسے گھیر لیا۔ ان میں سے ایک لڑکے کے ہاتھ میں پستول تھا۔ باقی دونوں لڑکے چاقوؤں سے مسلح تھے۔ ان کے چہروں پر درندگی برس رہی تھی۔

وہ ان بدمعاش لڑکوں کے نرغے میں آتے ہی بدحواس سی ہو گئی۔ ان کے ہاتھوں میں پستول اور چاقو دیکھ کر اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے باری باری ان بدمعاشوں کو دیکھا جو اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح ایک شکاری اپنے جال میں شکار کو پھنستا ہوا دیکھتا ہے۔

لڑکی کے سینے میں سانس پھولنے لگی۔ وہ چند ثانیوں کے بعد پھنسی پھنسی آواز میں پستول والے لڑکے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "کون ہو تم.........؟ کیا چاہتے ہو.........؟"

"ہم بہت ہی مہذب قسم کے لوگ ہیں۔" پستول والے نے استہزائی لہجے میں جواب دیا۔ "ہم صرف یہ چاہتے ہیں تم ہمارے سنگ چلو۔ یہ ہماری عاجزانہ درخواست ہے۔"

"تم لوگ جو بھی ہو میں تم لوگوں کو بالکل نہیں جانتی ہوں، میں ساتھ نہیں چل سکتی۔" لڑکی نے چند ثانیوں کی مہلت میں خود پر قابو پا لیا تھا اپنی ہمت مجتمع کر کے بولی لیکن اس کی آواز میں ارتعاش سا تھا۔ "میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے جانے دو میں ایک شریف لڑکی ہوں۔"

"ہم بھی شریف آدمی ہیں اور ہمیں بھی شریف لڑکیوں کی تلاش رہتی ہے۔" چاقو والے لڑکے نے کہا۔

"تم لوگ ہرگز شریف نہیں ہو......... بدمعاش ہو۔" وہ متوحش نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں نہیں چلوں گی۔"

تیسرے لڑکے نے فضا میں اپنا چاقو لہرایا۔ "تم کیسے نہیں چلو گی.........؟ تمہارا باپ بھی چلے گا......... یہ کھلونے دیکھ رہی ہو؟"

"ایک نہتی لڑکی کو تم پستول اور چاقو سے ڈرا اور دھمکا رہے ہو؟" لڑکی نے بے خوفی سے کہا۔ اس نے شانے پر پھسلتے ہوئے ساڑھی کے پلو کو پیٹھ پر سے گزار کر اس کا سرا کمر میں اڑس لیا۔ پھر اس نے باری باری ان تینوں بدمعاشوں کے چہرے دیکھے، پھر وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ "میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ تم مجھے ساتھ چلنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتے۔"

"اپنے آپ کو تماشا نہ بناؤ۔" تیسرے لڑکے نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ "تم سیدھی طرح نہیں چلو گی تو ہم تمہیں قربانی کے جانور کی طرح گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ تم نے زیادہ بہادری دکھائی تو یہ چاقو تمہارے سینے میں اتر جائے گا۔"

دوسرے لڑکے نے اس کے پاس جا کر اس کے گلے کے نیچے چاقو رکھ دیا۔ "اب کیا کہتی ہو؟" وہ غرایا۔

لوگ ٹھٹک کے رک گئے تھے۔ دکاندار اور ملازم بھی باہر نکل آئے تھے۔ وہ سب کھڑے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہو۔ ان میں سے کوئی بھی اس لڑکی کی مدد کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ وہ سب ان بدمعاشوں کو مسلح دیکھ کر اس لڑکی کو بچانے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔

انہیں ان لوگوں پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ ان کے پاس آج اتفاق سے پستول نہیں تھا۔ وہ گھر بھول آئے تھے۔ وہ ہر وقت اپنے پاس بھرا ہوا پستول رکھتے تھے۔ اس روز سے وہ پستول رکھنے لگے تھے جب بدمعاشوں نے انہیں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور ان کی گاڑی پر فائرنگ بھی کی تھی۔ ان کے پاس پستول ہوتا تو وہ ان تینوں بدمعاشوں کو بلاتامل بھون کر رکھ دیتے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کی کس طرح مدد کریں۔ اکیلے بِھڑ جانے سے کچھ حاصل نہ تھا۔ یہ خودکشی کرنے والی بات تھی۔ بدمعاش انہیں جان سے مار دیتے۔

"ٹھیک ہے میں ساتھ چل رہی ہوں۔" لڑکی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ "تم لوگ مجھے قتل تو نہیں کر دو گے؟"

"نہیں.........." پستول والے لڑکے نے کہا۔ "کون بدذوق ہو گا جو تمہیں قتل کر دے .... قتل تو تم نے ہمیں کر دیا ہے۔ ہم تو پہلے ہی شہید ہو چکے ہیں۔"

"کہاں چلنا ہے..........؟" لڑکی نے مردہ لہجے میں پوچھا۔

"اس طرف..........!" چاقو والے لڑکے نے مخالف سمت اشارہ کیا۔ دو سو قدم کے فاصلے پر ایک نئی ٹویوٹا کرولا کھڑی تھی۔ ایک ہپی ٹائپ شخص سٹیئرنگ پر بیٹھا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس گاڑی کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

"تم لوگ وعدہ کرو کہ مجھے زیادہ وقت اپنے ساتھ نہیں رکھو گے؟" لڑکی نے کہا۔

"ہاں .... ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں زیادہ وقت تک مہمان نہیں رکھیں گے۔" پستول والے لڑکے نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "جلدی سے چلو۔ باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے؟" لڑکی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ مرد کی زبان ہے۔" پستول والے نے کہا۔ "تمہیں اعتبار کرنا چاہئے۔"

"تم مرد ہو..........؟ کیا مرد ایسے ہوتے ہیں؟" لڑکی نے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"مرد کیسے ہوتے ہیں..........؟" وہ استہزائی انداز سے قہقہہ مار کر بولا۔

"تم لوگ مرد نہیں ہو..........؟ مرد ہوتے تو ایک عورت کو گن پوائنٹ پر نہیں لے جاتے۔" وہ طنز بھرے لہجے میں بولی۔

"سیدھی طرح چلتی ہو کہ نہیں..........؟ باتیں ہی بگھارتی رہو گی۔" دوسرے بدمعاش نے اسے ڈانٹا۔

"اس کی چوٹی پکڑ کے کھینچ کر لے چلو.........." تیسرے بدمعاش نے مشورہ دیا۔

"یہ ہمیں باتوں میں لگا رہی ہے تاکہ کوئی اس کی مدد کو آ جائے، کہیں پولیس موبائل نہ آ جائے۔"

لڑکی ان کے حصار میں خود ہی آہستہ آہستہ اور بے جان سی ہو کر چلنے لگی جیسے تختۂ دار کی طرف اسے لے جایا جا رہا ہو۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ پھر سفید پڑتا چلا گیا تھا۔ دونوں بدمعاشوں نے اس کے دائیں اور بائیں آ کر اس کے بازوؤں کو تھام لیا تو اس نے دونوں کو بری طرح جھڑک دیا۔ چلتے چلتے رک گئی۔ پھر وہ برافروختہ ہو گئی۔ "جب میں ساتھ چل رہی ہوں تو مجھے پکڑ کر کیوں لے جا رہے ہو؟"

"اس لئے کہ تم پنچھی بن کر اوپر نہ اڑ جاؤ..........!" دوسرے بدمعاش نے جھینپ کر کہا۔

لڑکی جو ان سے بات کرنے کے لئے رک گئی تھی پھر ان کے ساتھ خاموشی سے چلنے

لگی۔ پستول والا لڑکا ان سے دو قدم آگے تھے۔ وہ محتاط اور چوکنا ہو کر چاروں طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ ان کے لئے میدان صاف تھا۔ پھر بھی وہ ہوشیار تھے۔ وہ کسی قسم کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

چشم زدن میں جو واقعہ رونما ہوا وہ جیمز بانڈ کی فلم کے سنسنی خیز اور حیرت انگیز منظر کی طرح تھا۔ لڑکی نے تیزی سے دو قدم آگے نکل کر اور سرکس کے مسخرے کی طرح فضا میں اچھل کر پستول والے بدمعاش کی کمر پر پوری قوت سے لات دے ماری۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ یہ ناگہانی حملہ تھا۔ وہ دو تین قدم تک لڑکھڑاتا ہوا گیا۔ منہ کے بل زمین پر گر کر زمین چاٹنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا۔

لڑکی برق سرعت سے ان دونوں بدمعاش لڑکوں کی طرف گھومی۔ وہ بھونچکے سے دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں سنبھلتے اور اس کی خبر لیتے لڑکی نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کے ہاتھوں میں چاقو ہیں اس نے دونوں ہاتھوں سے ان کے لمبے لمبے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر اس نے بہت تیزی اور پوری قوت سے ان کے سروں کو دو مرتبہ ٹکرا دیا۔ ان کی کھوپڑیاں بج اٹھیں۔ لڑکی نے ان کے بالوں کو چھوڑا تو وہ اپنا اپنا سر پکڑ کر اسے گالیاں دینے اور ڈگمگانے لگے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ ان کے چاقو ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گئے تھے۔

لڑکی نے ایک لحظہ بھی ضائع نہیں کیا۔ وہ کسی ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی ہوئی دکانوں کے سامنے جو کار پارکنگ لاٹ تھا ادھر بجلی کا کوندا بن کر لپک گئی۔ پستول والا بدمعاش چند لمحوں کے بعد ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ ہونٹ بھی پھٹ گئے تھے۔ اس نے لڑکی کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے فوراً زمین سے پستول اٹھا لیا۔ پھر لڑکی کی طرف شست باندھ کر فائر کر دیا۔ گولی لڑکی کے سر پر سے سنسناتی ہوئی گزر گئی۔ جب اس نے دیکھا کہ فائر خالی گیا ہے اس نے پے در پے دو تین فائر جھونک دیئے۔ گولیاں پارک کی ہوئی گاڑیوں کی کھڑکیوں کے شیشوں پر لگیں۔ یکے بعد دیگرے چھناکے ہوئے اور ان کی کرچیاں زمین پر بکھر گئیں۔

لڑکی گاڑیوں کو ڈھال بناتی ہوئی سب کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ تینوں غصے

سے جھنجھلاتے ہوئے اس طرف لپکے۔ جو لوگ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے وہ لڑکی کی بہادری اور اس کے جُل دے کر فرار ہو جانے پر عش عش کر رہے تھے۔ یہ وقت ان کے لئے عش عش کرنے کا نہیں بلکہ اس لڑکی کی مدد کرنے کا تھا جس کے تعاقب میں وہ بدمعاش دوڑ پڑے تھے۔ اب اس لڑکی کی عزت و آبرو اور جان کی خیر نہ تھی۔ کیونکہ اس لڑکی نے اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے ان کے چنگل سے نکل کر انہیں غضب ناک کر دیا تھا۔ وہ بدمعاش آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

وہ نوادرات خریدنے کے لئے آئے تھے لیکن اب وہ اس "نادر" کی ہر قیمت پر جان بچانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ ان کے نزدیک یہ دنیا کا سب سے خوبصورت بیش قیمت اور نایاب نوادر تھا۔ اس کی کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ جس گھر میں چلا جائے اس میں چار چاند لگا دے۔

وہ تیزی کے ساتھ اپنی گاڑی کی طرف لپکے۔ وہ اپنی گاڑی لے کر بغلی گلیوں کے چکر کاٹنے لگے۔ انہوں نے بدمعاشوں کی گاڑی کو دیکھا۔ وہ بھی بغلی اور متصل گلیوں میں اس لڑکی کو شکاری کتوں کی طرح تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ ان بدمعاشوں نے ان کی گاڑی کو روک کر پوچھا۔ "کیا تم نے ایک جوان اور حسین لڑکی کو دیکھا ہے؟"

اس بدمعاش کا طرز تخاطب انہیں بہت ناگوار لگا تھا۔ پھر بھی وہ شوخی سے بولے۔ "تم ایک لڑکی کی بات کر رہے ہو.........؟ میں نے تو بہت ساری جوان اور حسین لڑکیاں دیکھی ہیں۔ تم لوگ بھی دیکھنا چاہتے ہو تو سنار گاؤں شیرٹن ہوٹل چلے جاؤ۔"

"ہم اس لڑکی کی بات کر رہے ہیں جو اس گلی میں بھاگ رہی تھی۔" دوسرے بدمعاش نے کہا۔ "وہ کمینی جانے کہاں چھپ گئی ہے' کچھ پتا نہیں چل رہا ہے؟"

"اس لڑکی کی بات کر رہے ہو.........؟ وہ کس لئے بھاگ رہی تھی؟ تم لوگ اسے کس لئے تلاش کر رہے ہو؟"

"وہ چوری کر کے بھاگ رہی تھی۔ اس نے میرا بٹوہ چرا لیا ہے۔ جلدی سے اس کے بارے میں بتاؤ۔" تیسرے بدمعاش نے کہا۔ "میرے بٹوے میں پورے تیس ہزار کی رقم تھی۔"

"میں نے اُس بے بی کو آٹو رکشا میں سوار ہو کر اس طرف جاتے دیکھا ہے۔" وہ مخالف سمت اشارہ کر کے بولے۔

گاڑی اس سمت چل پڑی۔ ان کے خیال میں وہ لڑکی انہی گلیوں میں سے ایک گلی میں چھپی ہوئی تھی۔ شاید کسی مکان یا عمارت میں پناہ لے لی تھی۔ اس لئے وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ انہوں نے ان گلیوں کے چکر کاٹنا شروع کر دیئے۔ خاصی دیر تک وہ ان گلیوں اور سڑکوں کی خاک چھانتے رہے۔ پھر وہ ناامید اور مایوس ہو کر ایک گلی سے نکل رہے تھے کہ ایک بغلی گلی سے ایک عورت سراسیمگی کے عالم میں بھاگتی ہوئی ان کی گاڑی کے اگلے حصے سے ٹکرا کر سڑک پر گر گئی۔ یہ اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا۔ ان کی گاڑی کی رفتار زیادہ تیز بھی نہ تھی وہ فوراً ہی بریک نہ لگاتے تو وہ عورت ان کی گاڑی کے نیچے آ جاتی۔ اتفاق سے یہ گلی سنسان اور ویران پڑی تھی۔

وہ فوراً ہی گاڑی سے اتر کے عورت کے پاس پہنچے۔ اسے دیکھتے ہی انہیں یقین نہیں آیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کی تلاش میں وہ خوار ہو رہے تھے۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ انہوں نے فوراً ہی اسے اٹھایا۔ جس وقت وہ لڑکی کو اٹھا کر پچھلی نشست کے دروازے کی طرف لے جا رہے تھے معاً ان کی نظر گلی کے نکڑ پر پڑی۔ بدمعاشوں کی گاڑی تیزی کے ساتھ ان کی سمت آ رہی تھی۔ ان بدمعاشوں نے دور سے دیکھ کر پہچان لیا تھا اس لئے اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی تھی۔

انہوں نے فوراً ہی اس لڑکی کو گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹایا اور لپک کر اسٹیئرنگ پر آ بیٹھے۔ جب انہوں نے گاڑی چلائی تو ان کی اور بدمعاشوں کی گاڑی میں بیس گز سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ ایک بدمعاش نے کھڑکی میں سے سر نکال کر چیختے ہوئے کہا۔ "او بڈھے.........! گاڑی روک لو' ورنہ گولی مار دیں گے.........."

انہوں نے اس بدمعاش کی دھمکی کی پرواہ نہ کی اور اپنی گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھا دی۔ پھر وہ مین روڈ پر آ گئے۔ شام کا وقت تھا۔ ٹریفک سیلاب کی طرح بہہ رہا تھا۔ بدمعاشوں کی گاڑی اوورٹیک کرتی ہوئی ان کے دائیں جانب آئی۔ کھڑکی میں سے بدمعاش نے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ انہیں نشانے کی زد میں لیتا ہوا

بولا۔ "گاڑی روک لو اور اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

"تم میری کھوپڑی میں سوراخ کر دو یا میرے دل میں.........." انہوں نے سڑک پر سے نظریں ہٹا کر اس بدمعاش کی طرف دیکھا۔ پستول کی نال موت کے فرشتے کی طرح گھور رہی تھی۔ وہ بے خوفی سے بولے۔ "میں کسی قیمت پر اس معصوم لڑکی کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ تم لوگوں نے زیادہ بدمعاشی دکھائی تو تم سب کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ خیریت چاہتے ہو تو اپنا راستہ لو۔"

ان کا تلخ اور دھمکی آمیز جواب سن کر اس بدمعاش کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی۔ وہ طیش میں آ کر بولا۔ "لگتا ہے کہ اس لڑکی پر تمہارا دل آ گیا ہے؟"

"تم جو بھی سمجھ لو۔ یہ لڑکی اب میری ملکیت ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم اس کی بکواس کیوں سن رہے ہو؟" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے بدمعاش نے تیز و تند لہجے میں کہا۔ "یہ بڈھا گاڑی نہیں روک رہا ہے تو گولی مار دو.........."

"تم گاڑی روکتے ہو کہ نہیں.........." پستول والے بدمعاش نے لبلبی پر انگلی رکھتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

انہوں نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سوچا۔ وہ آخر کیوں ایک ایسی لڑکی کے لئے اپنی جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں جس سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے' جسے انہوں نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اس کا نام تک نہیں جانتے ہیں۔ وہ اس کی موہنی صورت سے متاثر ہو کر اس کی عزت اور جان بچانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ محمد علی خوند کر! تم ان بدمعاشوں کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو۔ بے وقوفی نہ کرو۔ اس لڑکی کو ان بدمعاشوں کے حوالے کر دو۔ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو تمہاری بیوی اور بچوں کا کیا بنے گا..........؟ تم نے یہ بھی سوچا ہے۔

انہوں نے اپنے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک کر گاڑی کی رفتار اور بڑھا دی۔ وہ

بدمعاش لبلبی دبانے والا تھا کہ اس اثنا میں پیچھے سے آتی ہوئی وین نے بدمعاشوں کی گاڑی کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کی تو دونوں ٹکرا گئیں۔ بدمعاشوں کی گاڑی کا توازن بگڑ گیا۔ اس بدمعاش نے جو فائر کیا تھا وہ اس کی زد میں آنے سے بال بال بچ گئے تھے۔ اگر وین بدمعاشوں کی گاڑی سے نہ ٹکراتی تو ان کی کھوپڑی میں سوراخ ہو جاتا۔ دوسرے فائر کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ بدمعاشوں کی گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھ کر بجلی کے کھمبے سے ٹکرائی۔ فضا میں ایک زوردار دھماکے کی آواز گونج گئی۔ بجلی کا کھمبا ٹیڑھا ہو گیا۔ وہ چاروں بے ہوش اور بری طرح زخمی ہو گئے۔ اس بدمعاش لڑکے نے ان پر جو فائر کیا تھا وہ گولی ایک نیون سائن پر جا کر لگی جو سڑک کے کنارے لگا ہوا تھا۔

تیس منٹ کی مسافت طے کرنے کے بعد جب وہ اپنی کوٹھی پر پہنچے تو دن ڈوب چکا تھا۔ شام کے دھندلکے اندھیرے میں مدغم ہو رہے تھے۔ وہ سارا راستہ وقفے وقفے سے عقبی آئینے میں اس لڑکی کو دیکھتے رہے تھے۔ وہ بدستور بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گی لیکن ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ وہ دانستہ اسے کسی کلینک میں نہیں لے گئے تھے۔

انہوں نے لڑکی کو گاڑی سے اٹھانے سے پہلے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ وہ ہوش میں نہیں آئی۔ پھر اسے اٹھا کر مہمانوں کے لئے مخصوص کیے ہوئے کمرے میں لے آئے۔ اسے بستر پر لٹا دیا۔ سونی بوا نے بتایا کہ ان کی بیوی' بہو' اور بچے کسی تقریب میں گئے ہوئے ہیں۔ رات دس بجے ان لوگوں کی واپسی ہو گی۔

انہوں نے اپنے فیملی ڈاکٹر اور دیرینہ دوست زمان کو ٹیلی فون کیا تو وہ مریضوں کو چھوڑ کر دس منٹ میں پہنچ گیا۔ ڈاکٹر زمان نے اس لڑکی کا معائنہ کیا۔ پھر اسے ایک انجکشن لگایا۔ پھر ان سے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کچھ دیر میں ہوش میں آ جائے گی۔ دو گھنٹے کے اندر اسے الٹی ہو تو وہ اسے لے کر فوراً ان کے کلینک پہنچ جائیں۔ ڈاکٹر زمان نے اپنے پاس سے کچھ گولیاں اور کیپسول دیئے' پھر وہ چلے گئے۔

ڈاکٹر زمان کے جانے کے بعد انہوں نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کا لباس پہلے ہی سے بہت میلا کچیلا اور بوسیدہ سا ہو رہا تھا۔ گاڑی سے ٹکرا کر سڑک پر گرنے کے بعد اس

کا لباس اور میلا ہو گیا تھا۔ وہ چونکہ بے ہوشی کی حالت میں تھی اور کچھ دیر کے بعد ہوش میں آنے والی تھی اس لئے اس کا لباس بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ انہیں اس کے لباس سے زیادہ اس کی صحت اور سلامتی کی فکر تھی۔ ان کے پاس اس لڑکی کے گھر والوں کا پتہ بھی نہیں تھا۔ پتا ہوتا تو وہ انہیں کسی کو بھیج کر بلا لیتے۔

انہوں نے سونی بوا سے کہا کہ وہ ان کے کپڑے بدل کر آنے تک لڑکی کے پاس رہے۔ وہ کمرے سے نکل گئے تو وہ حیرت سے لڑکی کو دیکھتی رہی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ صاحب اس لڑکی کو کہاں سے اور کس لئے اٹھا کر لے آئے؟ لڑکی اپنے لباس سے کسی فقیرنی کی طرح لگ رہی تھی۔ صاحب کا اس لڑکی کو بازوؤں میں اٹھا کر لانا' اپنے صاف ستھرے کپڑوں اور اس صاف ستھرے بستر کا خیال نہ کرنا بہت ہی تعجب خیز لگا۔ وہ صاحب کے آنے تک اس معمے کو حل کرنے کے لئے سر پھوڑتی رہی لیکن حل نہ کر سکی۔

جب صاحب کپڑے بدل کر آئے تو اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھ ہی لیا۔ "صاحب جی! یہ لڑکی کون ہے؟"

"میری بیٹی ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ "تم جا کر جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔"

"بیٹی.........؟" وہ حیرت سے اچھل پڑی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "کیا آپ کی واقعی بیٹی ہے؟ لیکن صاحب.........!"

سونی بوا کو آگے کچھ کہنے اور پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ بولے۔ "ہاں......... یہ میری بیٹی ہے۔ سچ مچ کی بیٹی ہے۔ یہ میری دوسری بیٹی ہے۔ تم جاؤ جلدی چائے بنا کر لاؤ۔ مجھے بڑی طلب ہو رہی ہے۔"

وہ حیران اور پریشان سی کمرے سے نکل کر باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔ "کہیں صاحب نے دوسری شادی تو نہیں کی ہوئی ہے.........؟" اس نے دل میں اپنے آپ سے پوچھا۔ وہ اس گھر میں پورے بیس برس سے ملازمت کر رہی تھی۔ صاحب نے دوسری شادی کی ہوئی ہوتی تو خبر ہو جاتی......... اگر صاحب کی دوسری بیوی سے یہ لڑکی ہے تو پھر

اس کا لباس اس قدر گندا کیوں ہو رہا ہے؟

کچھ دیر کے بعد لڑکی ہوش میں آ گئی۔ اس نے آنکھیں کھولنے کے بعد چھت کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں تک وہ چھت کو ایک ٹک دیکھتی رہی۔ اس وقت اس کی یادداشت دھندلائی ہوئی تھی۔ جیسے ہی اس کے ذہن میں وہ واقعہ تازہ ہوا اس نے گھبرا کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اس نے نہایت خوبصورت اور آراستہ و پیراستہ کمرا دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ خوف و دہشت کی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر گئی اور رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اس نے حواس باختہ ہو کر سوچا۔ کہیں وہ بدمعاشوں کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی ہے؟

محمد علی خوند کر ایک ضروری ٹیلی فون کرنے کمرے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے لڑکی کو دہشت زدہ سا اور ہوش میں دیکھا۔ لڑکی کسی بدمعاش کے بجائے ایک پُروقار اور بارعب شخص کو دیکھ کر سخت حیران سی ہوئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ پھر اسے خیال آیا کہیں وہ اس شخص کی گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش تو نہیں ہو گئی تھی؟

انہوں نے بستر کے پاس آ کر اس سے کہا۔ "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے بیٹی.........؟"

"جی .... میری طبیعت.........؟" اس نے اپنے سر میں درد کی لہر اور کمزوری سی محسوس کی۔ "میں کہاں ہوں.........؟ مجھے یہاں کون لایا ہے؟ آپ .... آپ کون ہیں؟"

"تم میرے گھر میں ہو بیٹی!" وہ بڑی محبت' نرمی اور شائستگی سے بولے۔ "میں تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں۔ تم میری گاڑی کے سامنے اچانک آ کر اس کی زد میں آ گئی تھیں' بے ہوش ہو گئیں تو میں تمہیں یہاں لے آیا۔ ڈاکٹر تمہیں دیکھ گئے ہیں' خطرے والی کوئی بات نہیں ہے لیکن دو گھنٹے اہم ہیں۔ تم لیٹ جاؤ۔"

"مجھے کچھ آوارہ قسم کے لڑکے جن کا تعلق اونچے گھرانوں سے تھا اغوا کرنا چاہتے تھے۔" وہ کہنے لگی۔ "میں نے اپنی جان پر کھیل کر اپنی عزت اور زندگی ان بدمعاشوں سے بچائی اور بھاگ نکلی لیکن وہ پھر بھی میری تلاش اور تعاقب میں لگے رہے۔ میں ایک مکان

کے احاطے میں چھپ گئی۔ خاصی دیر کے بعد میں وہاں سے یہ سوچ کر نکلی کہ بدمعاش جا چکے ہوں گے۔ معاً میری نگاہ ان بدمعاشوں کے ایک ساتھی پر پڑی جو گلی کے نکڑ پر کھڑا ہوا تھا۔ میں اس کی نظروں میں آنے سے بچنے کے لئے چھپتی چھپاتی ہوئی بھاگی۔ بدحواسی کے عالم میں آپ کی گاڑی سے ٹکرا گئی اور بے ہوش ہو گئی۔ اس میں آپ کی نہیں میری غلطی تھی۔"

"وہ سارا واقعہ میرے سامنے پیش آیا۔" محمد علی خوند کر نے کہا۔ پھر انہوں نے اسے مختصر طور پر سارا قصہ سنایا۔

"اللہ نے مجھے ان بدمعاشوں کے ہاتھوں سے بال بال بچایا۔ میں اس کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔" وہ بولی۔ پھر اس نے ممنون نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ "آپ نے مجھے ان بدمعاشوں کے ہاتھوں سے بچا کر اور یہاں لا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اسے ساری زندگی اتارنا بھی چاہوں تو اتار نہ سکوں گی۔"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ اپنا فرض ادا کیا ہے۔" وہ کہنے لگے۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کر سکا۔ اس لئے کہ وہ آوارہ لڑکے مسلح تھے۔ قدرت نے ان کے کئے کی انہیں فوراً سزا دے دی۔ ان کی گاڑی کو حادثہ پیش آیا۔ خدا معلوم وہ زندہ بچ گئے یا موت سے ہمکنار ہو گئے ہیں .... ابھی تم پوری طرح نارمل نہیں ہوئی ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تم اپنے گھر کا پتہ دو تاکہ میں تمہارے والدین کو اطلاع دے کر بلا سکوں۔ وہ تمہارے گھر نہ آنے سے سخت پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"نہ میرا کوئی گھر ہے اور نہ میرے والدین اس دنیا میں موجود ہیں۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"پھر تمہارا کون ہے.........؟ تم کس کے ساتھ رہتی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"میرا ایک ماموں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اس کے ساتھ رہتی تھی لیکن اب میں نے اس کا گھر چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا اب میرا دنیا میں نہ کوئی ہے' نہ میرا گھر ہے۔"

"تم نے اپنے ماموں کا گھر کیوں اور کس لئے چھوڑ دیا.........؟" انہوں نے حیرت

سے کہا۔

"اس لئے کہ وہ ایک خودغرض اور لالچی شخص ہے۔ وہ میری شادی ایک ساٹھ برس کے بوڑھے شخص سے بیس ہزار کی رقم کے عوض کرنا چاہ رہا تھا۔ میرے انکار پر اس نے مجھ پر بڑا ظلم و ستم کیا۔ ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اس کی شادی شدہ بیٹی نے میری مدد کی۔ اس کی غیر موجودگی میں مجھے کمرے سے نکالا اور دو سو ٹاکا دے کر بولی کہ میں ڈھاکہ شہر ستار خالو کے ہاں چلی جاؤں۔ پھر میں چٹاگانگ سے ڈھاکہ آ گئی۔"

"تم اب اپنے ستار خالو کے ہاں رہ رہی ہو؟"

"جی نہیں۔" اس نے بڑی اداسی سے کہا۔ اس کے چہرے پر ایک کرب سا چھا گیا۔

"میں آج صبح ڈھاکہ پہنچی۔ پہلے تو میں نے ان کا گھر تلاش کیا۔ پڑوسی سے معلوم ہوا کہ اب وہ کسی اور محلے میں رہتے ہیں۔ انہوں نے جس محلے کا پتہ بتایا میں نے وہاں جا کر ان کا گھر تلاش کیا۔ گھنٹوں تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں ملا۔ ان کے سابق پڑوسی نے دکان کا پتا بتا دیا۔ جب میں دکان پر پہنچ کر ان سے ملی تو انہوں نے مجھے اپنے ہاں رکھنے سے صاف انکار کر دیا۔"

"وہ کس لئے..........؟"

"اس لئے کہ ان کے چھ بچے ہیں۔ دو بیویاں ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اس تنخواہ میں ان کا بمشکل گزارہ ہو رہا ہے۔ میں تمہیں کہاں پالوں گا۔ میں نے ان سے بہت کہا کہ آپ میری فکر نہ کریں، میں کسی گھر میں ماسی کا کام کر کے نہ صرف اپنا خرچ نکال لوں گی بلکہ آپ کا گھر بھی چلانے کی کوشش کروں گی۔ وہ مجھے رکھنے کے لئے بالکل تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے میری مجبوری اور پریشانی کا بھی خیال نہیں کیا۔ ایک دن بھی اپنے ہاں رکھنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔"

"ماسی کا کام..........؟" ان کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔

"جی ہاں ماسی کا کام۔" لڑکی نے سر ہلایا۔ "میری ماں ساری زندگی ماسی رہی۔ میرے والد سائیکل رکشہ چلاتے تھے۔ میں بھی اپنی ماں کے ساتھ جا کر اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ ایک ماسی کی بیٹی ماسی ہی تو بن سکتی ہے۔"

انہیں جانے کیوں اس لڑکی کی بات کا یقین نہیں آیا۔ حیرت کی بات تھی۔ پڑھی لکھی نہیں تھی لیکن اس کی باتیں پڑھی لکھی لڑکیوں جیسی تھیں۔ ایک غریب گھرانے اور ماسی کی بیٹی تھی تاہم مہذب سی تھی۔ اونچے گھرانے کی نہیں تھی لیکن اپنے حسن و جمال کی وجہ سے اونچے گھرانے کی لگ رہی تھی۔ کہیں یہ لڑکی جھوٹ تو نہیں بول رہی ہے۔ انہیں دھوکا تو نہیں دے رہی ہے۔ کوئی اور چکر تو نہیں ہے؟ یہ لڑکی ان سے کسی وجہ سے اصل بات چھپا رہی ہے۔

وہ بڑی صاف گوئی سے بولے۔ "مجھے تمہاری باتوں کا یقین نہیں آ رہا ہے؟"

"وہ کس لئے..........؟" لڑکی نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اس لئے کہ ایک ماسی کی بیٹی کی زبان اور اس کی باتیں ایسی نہیں ہوتی ہیں، مجھے تم پڑھی لکھی لگ رہی ہو؟"

"میری ماں جس گھر میں ملازمت کرتی تھی اس میں تمام افراد پڑھے لکھے تھے۔ ان کی چاروں لڑکیاں تعلیم یافتہ تھیں۔ ان میں ایک ڈاکٹر بھی تھی۔ میں نے ان کی صحبت میں سات برس رہ کر ان سے بہت کچھ سیکھا۔"

"یہ تم نے جوڈو کراٹے کہاں اور کیسے سیکھا؟"

"کچھ ان لڑکیوں سے اور کچھ انگریزی فلمیں دیکھ کر.......... ان لڑکیوں نے جوڈو کراٹے کے سینٹر میں داخلہ لیا ہوا تھا۔ جب وہ گھر پر پریکٹس کرتی تھیں مجھے بھی سکھاتی تھیں۔ وی سی آر پر جوڈو کراٹے کی فلمیں دیکھتی تھیں۔ وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ تم یہ فن سیکھ لو۔ کبھی تمہارے کام آ سکتا ہے۔ تمہارے لئے سیکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ تم حسین اور نوجوان ہو۔"

"اب تم نے کیا سوچا ہے؟ اب تم کہاں جاؤ گی؟" انہوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں بوڑھی گنگا جاؤں گی۔"

"وہ کس لئے .... کیا وہاں کوئی تمہارا رشتہ دار ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"اس لئے کہ میرا وہی ٹھکانہ ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اس میں ڈوب کر

مرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ.........." وہ بڑے زور سے چونکے۔ "تم خودکشی کرنا چاہتی ہو؟ لیکن یہ تو حرام موت ہے۔"

"جی ہاں.........." وہ دل گرفتہ لہجے میں کہنے لگی۔ "اس کے سوا میرے لئے چارہ نہیں ہے۔ کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ مجھے یہ منظور نہیں ہے کہ حرام موت سے بچنے کے لئے حالات سے سمجھوتہ کرلوں۔ ساٹھ برس کے بوڑھے سے شادی کرلوں جس کی پہلے سے دو جوان بیویاں ہیں۔ جس کی دو بیویاں مر چکی ہیں۔ ان بیویوں سے اس کی تین جوان بیٹیاں ہیں.......... میں شادی نہ کروں تو میرے لئے زندہ اور عزت سے رہنا اور مشکل ہو جائے گا۔ میں درندہ صفت بدمعاشوں کا شکار ہوتی رہوں گی۔ اس لئے اس جینے سے مرجانا ہی بہتر ہے۔"

"تم اللہ کی ذات سے مایوس کیوں ہوتی ہو؟" انہوں نے اسے دلاسا دیا۔ "وہ بڑا کارساز ہے، مسبب الاسباب ہے۔"

"وقت غریبوں اور بدنصیبوں کا کبھی نہیں ہوا۔ بھلا وہ میرا کیا ہو گا؟" اس کی آواز بھرا سی گئی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" وہ زیرلب مسکرائے۔ "میں تمہیں سہارا دوں گا۔ تم اس گھر میں رہو گی۔"

"سچ!" اس کا چہرہ دمک اٹھا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "آپ مجھے ماسی رکھ لیں، میں ہر کام کر سکتی ہوں صرف کھانا پکانا نہیں آتا ہے۔ چائے اچھی بنا سکتی ہوں، آملیٹ بنا سکتی ہوں۔ صرف دال بھات بنا سکتی ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس بستر پر آبیٹھے۔ "میں تمہیں ماسی کی نہیں بیٹی کی ملازمت دوں گا۔"

"بیٹی کی ملازمت..........؟" وہ انہیں متعجب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں اپنی بیٹی بناؤں گا۔ تم اس گھر میں ایک بیٹی بن کر رہو گی۔ بیٹی کے فرائض انجام دو گی۔ یہی تمہاری ملازمت ہے۔" وہ مسکرائے۔

"ایک ملازمہ آپ کی بیٹی کیسے بن سکتی ہے۔ آپ مجھے صرف ملازمہ ہی رہنے دیں۔"

"کیوں نہیں بن سکتی؟" وہ بولے۔ "میں نے تمہیں بیٹی بنا لیا ہے۔ میں اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتا۔ میں جو ایک بار فیصلہ کرلیتا ہوں اس پر سختی سے قائم رہتا ہوں۔ آخر تمہیں بیٹی بننے سے انکار کس لئے ہے؟"

"اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ میری اوقات کیا ہے۔ میرا تعلق آپ کے خاندان سے نہیں ہے۔ میں دور کی رشتہ دار بھی نہیں ہوں۔ میں نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔ منہ بولی بیٹی سگی بیٹی کی جگہ نہیں لے سکتی۔ میرے اور آپ کے درمیان امیری غریبی کی جو دیوار ہے وہ بہت اونچی ہے۔ اس دیوار کو پھلانگنے کی مجھ میں ہمت بھی نہیں ہے۔"

"لگتا ہے کہ تم نے فلسفہ میں گریجویشن کیا ہے؟ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تم تعلیم یافتہ ہو؟"

"یہ سب کچھ میں نے فلموں سے سیکھا ہے۔ اس گھر میں وی سی آر پر ہر روز ایک نئی فلم دیکھی جاتی تھی۔"

"مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم جیسی لڑکیاں بھی اس طبقے میں جنم لیتی ہیں۔ گو کہ تم ایک نچلے طبقے سے تعلق رکھتی ہو اس کے باوجود حسن و جمال کے علاوہ تمہاری شخصیت کے بہت سے پہلو متاثر کرنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مستقبل کی تمام مسرتوں کو سمیٹ لو۔ میں ایک دولت مند شخص ہوں لیکن میں نے کبھی طبقاتی امتیاز کے بارے میں نہیں سوچا۔ گو میں سگے ماں باپ کی جگہ نہیں لے سکتا لیکن تم میری محبت کی چھاؤں میں سگے باپ کی سی شفقت محسوس کرو گی۔"

اس نے ایک لمحے کے لئے دل میں سوچا کہ یہ شخص جو جذبات کی رو میں بہہ کر اسے اپنی بیٹی بنا رہا ہے اس میں کوئی اور جذبہ کارفرما تو نہیں ہے؟ کہیں بعد میں اسے پچھتانا تو نہیں پڑے گا؟ اس نے تھوڑی دیر میں محسوس کرلیا تھا کہ یہ شخص جو اس کے باپ کی عمر کا ہے بہت مخلص اور عظیم آدمی لگ رہا ہے۔ اس کے سینے میں دل ہے۔ اس کے

چہرے پر دل کے احساسات و جذبات نمایاں ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا نہیں ہے کہ کوئی ایک انجانی لڑکی کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اسے بیٹی بنا لے؟ ایسے واقعات ڈراموں اور فلموں میں اس نے دیکھے تھے۔

"آپ کی بیوی اور بچے بھی ہیں یا آپ اس دنیا میں میری طرح اکیلے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"اس گھر میں نہ صرف میری بیوی' بیٹا' اس کی بیوی' بچے بلکہ میری ایک بیٹی بھی رہتی ہے بلکہ میرے خاندان کے افراد بھی رہتے ہیں۔ میری دو بیٹیاں شادی کے بعد امریکہ اور کینیڈا جا چکی ہیں۔ اس بڑی کوٹھی میں جو پورشن ہیں وہ ان میں رہتے ہیں۔ ان میں کل تین خاندان آباد ہیں۔ ایک بڑی بہن اور دو چھوٹے بھائی ہیں" ان کے بچے بھی ہیں۔ ان کی جو لڑکیاں ہیں ان میں تم سے چھوٹی اور بڑی بھی ہیں۔ تمہیں ان کی دوستی اور قربت ملے گی۔ تم ان سے مل کر بہت خوش ہو گی۔ میں ایک بزنس مین ہوں۔ میں بہت مصروف آدمی ہوں۔ میری کمپنی کے دفاتر غیر ممالک میں بھی ہیں۔ میں اکثر امریکہ اور یورپ کے دورے پر جاتا رہتا ہوں۔ بعض اوقات ناشتہ ڈھاکہ میں تو لنچ لندن میں اور ڈنر امریکہ میں ہوتا ہے۔ میرا ایک لڑکا امریکہ سے آیا ہوا ہے' اس کی بیوی بچے میرے ساتھ ہیں۔ وہ رات کی فلائٹ سے واپس جا رہا ہے۔"

"کیا لڑکیاں میرے ساتھ دوستی کرنا پسند کریں گی؟" اس نے پوچھا۔ "آپ کے خاندان کے افراد مجھے قبول کر لیں گے؟"

"کیوں نہیں پسند اور قبول کریں گے؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس لئے کہ میں نالی کا کیڑا ہوں۔" اس کا لہجہ بجھا ہوا سا تھا۔

"تم نالی کا کیڑا نہیں ہو بلکہ میری بیٹی ہو۔ میری بیٹی نازنین کو جو عزت اور مقام حاصل ہے وہ تمہیں بھی ہو گا۔"

وہ خاموش ہو گئی تو محمد علی خوندکر نے پوچھا۔ "تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟ کیا نام ہے تمہارا؟"

"سنگیت.........." اس نے جواب دیا۔

"سنگیت.........!" وہ خوشدلی سے بولے۔ "بہت پیارا نام ہے۔ میں اپنے گھر میں ایک مدھر سنگیت لے کر آیا ہوں جس کے سُروں سے یہ گھر گونجتا رہے گا۔"

"جانے کیوں میرے دل کو یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ کے بیوی بچے مجھے خوشی سے قبول کر لیں گے۔" سنگیت کے لہجے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔

"یہ خیال تمہارے دل میں کیوں آیا؟" انہوں نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"اس لئے کہ میں ایک معمولی سی لڑکی ہوں۔" سنگیت نے جواب دیا۔ "ہر شخص آپ جیسا دریا دل نہیں ہوتا ہے؟"

"کسی کے قبول کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گئے۔ "یہ میرا گھر ہے۔ اس گھر پر صرف میرا راج ہے۔ اس کے باوجود میں نے آج تک کسی کو انگلی اٹھانے اور شکایت کا موقع نہیں دیا ہے۔ تم فکرمند اور پریشان نہ ہو۔ میں نے تمہیں رسمی یا کچھ دنوں کے لئے بیٹی نہیں بنایا ہے۔ آج ابھی اور اسی وقت سے تم میری بیٹی ہو۔ میں تمہیں ایک باپ بن کر دکھاؤں گا۔"

☆======☆======☆

محمد علی خوندکر کی اہلیہ بیگم رشیدہ بانو' بیٹی نازنین' بہو ثمرین اور اس کے بچے نو بجے ہی گھر پہنچ گئے تھے۔ ان کا بیٹا کاشف ساتھ نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے دوستوں سے ملنے چلا گیا تھا۔ کیونکہ رات کو اس کی فلائٹ تھی۔ وہ لوگ نشست گاہ میں پہنچے تھے کہ سونی بوا نے آ کر بیگم رشیدہ بانو سے کہا۔ "صاحب نے آپ کو اور نازنین بی بی کو فوراً بلایا ہے۔ وہ مہمانوں والے کمرے میں بیٹھے ہیں۔"

"کیا کوئی مہمان آیا ہوا ہے؟" بیگم رشیدہ بانو نے پوچھا۔

"جی ہاں.......... ایک مہمان لڑکی آئی ہوئی ہے۔" سونی بوا نے جواب دیا۔

"مہمان لڑکی.........؟" نازنین نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "تم اس لڑکی کو پہچانتی ہو' وہ کون ہے؟"

"نہیں جی .... میں نہیں جانتی ہوں کہ وہ کون لڑکی ہے۔ وہ اس لڑکی کو مغرب کے بعد بے ہوشی کی حالت میں لے کر آئے تھے۔ ڈاکٹر زمان آ کر اسے دیکھ گئے ہیں۔"

اسے انجکشن بھی لگایا' کچھ دوائیں بھی دیں۔"

"اس لڑکی کا نام بھی تمہیں نہیں معلوم ہے؟" نازنین نے پوچھا۔

"اس کا نام سنگیت ہے۔" سونی بوا نے بتایا۔

"سنگیت.........؟" نازنین کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔ "میں اس طرح کا نام پہلی بار سن رہی ہوں۔"

"میں نے بھی اسے پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ لڑکی ان کی گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گئی۔ وہ اسے گھر لے آئے۔ یہ میری بیٹی ہے۔ میری اس بیٹی کا نام سنگیت ہے۔"

"بیٹی.........؟" نازنین اور بیگم رشیدہ بانو نے حیرت سے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔ پھر بیگم رشیدہ بانو نے بوا سے پوچھا۔ "کیا تم نے ٹھیک سے سنا تھا؟ وہ ایک اجنبی لڑکی کو بیٹی کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"جی ہاں .... میں نے بڑے غور سے سنا۔ صاحب نے ایک نہیں کئی بار بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔"

"امی! میں بتاتی ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔" نازنین کہنے لگی۔ "ہوا یہ ہے کہ وہ لڑکی ابو کی گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گئی۔ ابو اسے گھر لے آئے۔ اسے انہوں نے بیٹی کہہ دیا۔ کسی لڑکی کو بیٹی کہہ دینے سے کیا وہ بیٹی ہو جاتی ہے۔ میری سمجھ میں تو یہی بات آ رہی ہے۔"

"جب حادثہ پیش آ گیا۔ لڑکی بے ہوش ہو گئی۔ اسے کسی ہسپتال لے جانے کے بجائے گھر کیوں لے آئے؟"

"وہ شاید کسی بڑے گھر سے تعلق رکھتی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حادثہ گھر کے قریب پیش آیا ہو۔ اس لئے وہ اسے کسی ہسپتال لے جانے کے بجائے گھر لے آئے۔ اس خیال سے شاید ہوش میں آ جائے۔" نازنین نے کہا۔ "یہاں قریب میں کوئی کلینک وغیرہ بھی تو نہیں ہے؟"

"وہ لڑکی نہ تو کسی اونچے گھرانے کی ہے اور نہ ہی اس محلے کی ہے' وہ ماسی ہے۔"

سونی بوا نے کہا۔ "اس کے کپڑے اس قدر میلے اور بوسیدہ ہیں کہ دیکھ کر گھن آتی ہے۔"

"کیا کہا.........؟ وہ لڑکی ماسی ہے۔" بیگم رشیدہ بانو اچھل پڑیں۔ "تمہیں کیسے معلوم.........؟"

"اس لڑکی نے خود صاحب کو بتایا تھا۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اس کی ماں بھی ماسی تھی۔ اس کا باپ چٹاگانگ شہر میں سائیکل رکشا چلاتا تھا۔ اس کے ماں باپ حیات نہیں ہیں۔ آپ لوگوں کو میری بات کا یقین نہیں آ رہا ہے تو چل کر اس لڑکی کو دیکھ لیں۔ صاحب سے پوچھ لیں۔ صاحب نے اس سے یہ بھی کہا کہ اب تم اس گھر میں میری بیٹی بن کر رہو گی۔ میں تمہیں نہ صرف نازنین کا مقام دوں گا بلکہ باپ بن کر دکھاؤں گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ایک جوان ماسی کو گھر لے آئیں اور اسے اپنی بیٹی بنا لیں۔" بیگم رشیدہ بانو نے حیرت اور غصے سے کہا۔ "یہ گھر ہے' یتیم خانہ یا خیراتی ادارہ نہیں ہے۔"

"مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔" نازنین نے حیرانی سے کہا۔ "ابو کا صرف ایک شوق اور کمزوری نوادرات جمع کرنے کی ہے۔ وہ برسوں سے نوادرات خرید کر لاتے اور گھر سجاتے رہے ہیں۔ آج کیا وہ ایک ماسی کو نادر سمجھ کر لائے ہیں؟ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ چلئے .... چل کر دیکھ لیتے ہیں۔"

ماں اور بیٹی نے اس کمرے میں قدم رکھا۔ پھر دونوں ٹھٹک کر رک گئیں۔ سونی بوا نے غلط نہیں کہا تھا۔ ایک جوان لڑکی بستر پہ بیٹھی تھی۔ اس کا لباس دیکھ کر دونوں کو کراہت سی ہوئی۔ وہ فقیرنی سے بھی گئی گزری تھی۔ محمد علی خوندکر اس سے کہہ رہے تھے۔ "بیٹی! خطرے کے جو دو گھنٹے تھے وہ گزر گئے۔ اب کسی بات کا ڈر اور خوف نہیں رہا۔ اب تم نہا سکتی ہو .... میں نے اپنی بیٹی اور بیوی کو بلایا ہے۔ بیٹی سے تمہیں جوڑا لے کر دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر صبر کر لو۔ وہ آتی ہی ہوں گی۔"

نازنین نے سنگیت کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ اس نے ان کے پاس جا کر پوچھا۔ "ابو! یہ نادر آپ کو کہاں سے اور کیسے ملا.........؟ یہ پہلا نادر ہے جو مجھے بہت پسند آیا ہے۔"

سنگیت، نازنین اور بیگم رشیدہ بانو کو دیکھتے ہی پلنگ سے اتر کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس نے ماں بیٹی کو سلام کیا۔ نازنین نے مسکرا کے اس کے سلام کا جواب دیا لیکن بیگم رشیدہ بانو نے جواب دینے کے بجائے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ سنگیت کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس کا چہرہ زرد سا ہو گیا۔ وہ ایک مجرم کی طرح سر جھکا کے کھڑی ہو گئی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" وہ سنگیت کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "سنگیت واقعی نادر ہے۔ اس نادر نے میرے تمام نوادر کو ماند کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ نادر میرے گھر میں چار چاند لگا دے گا۔ کیوں نازنین بیٹی!؟"

"جی ابو........." نازنین تائیدی لہجے میں بولی۔ "چار چاند لگ نہیں جائیں گے بلکہ لگ گئے ہیں۔"

وہ اپنی بیوی کے چہرے پر ناگواری اور تلخی کے تاثرات دیکھ کر بولے۔ "تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ اللہ نے بہت پیاری اور پلی پلائی جوان بیٹی دے دی۔ ایسی بیٹی قسمت سے ہی ملتی ہے۔"

بیگم رشیدہ بانو نے جواب نہیں دیا تو وہ سنگیت سے بولے۔ "یہ خاتون میری شریک حیات ہیں۔ ان کا نام بیگم رشیدہ بانو ہے۔ یہ آج سے بلکہ اسی وقت سے تمہاری امی ہیں۔ تم انہیں ممی بھی کہہ سکتی ہو۔ یہ میری سب سے چھوٹی بیٹی نازنین ہے۔ یہ مجھے بہت لاڈلی ہے۔ تم اسے اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھو گی۔"

"آپ کا دماغ ٹھکانے تو ہے؟" بیگم رشیدہ بانو نے ترش روی سے کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے؟"

"دماغ تو اس روز سے ٹھکانے نہیں ہے جب تمہیں پہلی بار ایک تقریب میں دیکھا تھا۔" وہ شوخی سے بولے۔ "اس روز کے بعد تمہیں بیاہ کر گھر لانا پڑا۔ دماغ ٹھکانے ہوتا تو شاید اس گھر میں کوئی اور ہوتی........."

نازنین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ سنگیت نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو روکا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟ آپ اسے یہاں کیوں لے کر آئے ہیں؟" بیگم رشیدہ بانو نے زہرخند سے کہا۔ "کیا یہ سرائے ہے؟"

"اس لڑکی کے بارے میں نازنین نے کہا نا کہ یہ نادر ہے......... یہ واقعی نادر ہے۔ تم ہی تو کہتی رہتی ہو کہ آپ نے دونوں لڑکیوں کی شادی باہر کر دی۔ تب سے گھر سُونا سُونا ہو گیا۔ میں کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اس خلا اور سُونے پن کو کیسے دور کروں۔ نازنین بھی بہنوں کے باہر چلے جانے کی وجہ سے گم صم سی رہنے لگی ہے۔ پھر میں یہ سب کچھ سوچ کر اس کو لے آیا۔ اس طرح تمہیں ایک بیٹی اور نازنین کو بڑی بہن مل جائے گی۔"

"یہ جو آپا اور بھائیوں کی جو اتنی ساری لڑکیاں ہیں کیا ان سے خلا پُر نہیں ہو گیا تھا۔ نازنین کی بہت ساری سہیلیاں بھی تو ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں تھی اس لڑکی کو لانے کی۔" وہ تلخ لہجے میں بولیں۔

"وہ لاکھ میری آپا اور بھائی سہی......... ان کی بیٹیاں ان کے گھر کی رونق ہیں۔ وہ کبھی تمہارے پاس ایک دن کیا ایک گھنٹہ بھی بیٹھ کر بات نہیں کرتی ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"میرے لئے یہی کافی ہے کہ وہ مجھے آ کر اپنی شکل دکھا جاتی ہیں۔ میں کوئی ان کی ہم عمر ہوں جو وہ میرے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کریں۔ میں نے ان سے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ میرے پاس آ کر بیٹھا کریں۔" وہ تیزی سے بولیں۔

"یہ باتیں کہنے کی نہیں ہوتی ہیں بلکہ محسوس کی جاتی ہیں۔ وہ کوئی دور نہیں رہتی ہیں۔ اس کوٹھی کے ایک حصے میں رہتی ہیں۔ دونوں بیٹیوں کے باہر جانے کے بعد ان لڑکیوں نے کبھی تمہاری دل جوئی کی، کوئی خبر لی؟"

"معلوم نہیں کیوں آپ اس فقیرنی کو یہاں لے آئے ہیں؟ اسے دیکھیں، اس کا لباس دیکھیں؟" وہ تنک کر بولی۔ "آخر آپ کو یہ کیا ہو گیا......... کہیں آپ سٹھیا تو نہیں گئے؟"

"یہ فقیرنی نہیں ہے بلکہ ایک غریب اور بے سہارا، یتیم لڑکی ہے۔" انہوں نے توقف کر کے سنگیت کی طرف دیکھا۔ بیگم رشیدہ بانو کی باتیں سن کر اس کے چہرے پر ایک کرب سا چھا گیا تھا۔ انہوں نے سنگیت کے پاس جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ پھر اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر سینے سے لگایا تو ماں اور بیٹی نے چونک کر بڑی حیرت سے یہ

منظر دیکھا۔ انہیں یقین نہیں آیا۔ محمد علی خوند کرنے سنگیت کو گلے سے لگاتے ہوئے اپنے لباس کا خیال نہیں کیا۔ سنگیت کا لباس دیکھ کر کراہت سی ہو رہی تھی۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹی سے بولے۔ "یہ ایک ماسی کی بیٹی ہے۔ یہ خود بھی ماسی ہے لیکن کسی نادر کی طرح ہے۔ گدڑی میں لعل ہے، تمہیں جلد ہی اس کی قدر و قیمت کا احساس ہو جائے گا۔ میں نے سنگیت کو بیٹی بنا لیا ہے۔ اب یہ اس گھر میں ایک بیٹی کی حیثیت سے رہے گی۔"

"بیٹی بنانے کے لئے یہی ایک ماسی رہ گئی تھی؟" وہ برافروختہ ہو گئیں۔ "آپ کو بیٹی بنانا ہی تھا تو آپا یا بھائیوں کی بیٹیوں میں سے کسی ایک لڑکی کو بیٹی بنا لیتے۔ راستے کا مال لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ایک اتفاقی لمحے نے مجھے اس لڑکی سے ملا دیا..........." انہوں نے جواب دیا۔ "مجھے میرے خاندان میں ایسی کوئی لڑکی دکھائی نہیں دیتی جسے میں بیٹی بنا کر رکھ سکوں۔ میں نے اسے بیٹی کہہ دیا ہے۔ میں اپنی زبان اور قول سے پھر نہیں سکتا۔"

"اسے دو تین سو ٹکا دے کر اس کے گھر بھیج دیں۔ آپ نے کوئی ٹھیکہ نہیں لیا ہے جو اسے یہاں بیٹی بنا کر رکھیں۔"

"میری بیٹی ایسی ویسی نہیں ہے جیسی تم اسے سمجھ رہی ہو۔ یہ غریب ماں باپ کی بیٹی ہے۔ اس کی ماں اور یہ ماسی ہوئی تو کیا ہوا........... کسی ایسے گھر کی لگتی ہے۔ پڑھی لکھی نہیں ہے لیکن اس نے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں ملازمت کرتے ہوئے بہت کچھ سیکھا ہے۔ مہذب ہے، اسے باتیں کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ دنیا کا تجربہ ہے، نیک سیرت ہے، مجھے اس کی شرافت اور سادگی نے بڑا متاثر کیا ہے اور پھر یہ لڑکی دولت کی نہیں محبت کی بھوکی ہے۔ اللہ نے مجھے ضرورت سے زیادہ دیا ہے۔ وہ اس گھر میں بیٹی اور بہن بن کر رہے گی تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟ یہاں اس کی تعلیم و تربیت ہو گی تو یہ کندن بن جائے گی۔"

"یہ گھر ہے کوئی خیراتی تربیت گاہ نہیں ہے۔" بیگم رشیدہ بانو نے ایک نفرت بھری نگاہ سنگیت پر ڈالی جو بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت ایک خوفزدہ ہرنی کی سی ہو رہی تھی۔ پھر وہ ہذیانی لہجے میں کہنے لگیں۔ "اگر آپ کے دل میں ساری دنیا کے لئے درد

پیدا ہو گیا ہے تو لڑکیوں کے لئے ایک یتیم خانہ کھول لیں، راستے کی لڑکیوں کو یہاں لے کر نہ آئیں۔"

"یہ میرا گھر ہے رشیدہ بانو!" انہیں جلال سا آ گیا۔ "اور میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔ کسی کو مجھ پر حکم چلانے اور اپنی مرضی مسلط کرنے کی ضرورت نہیں۔ سنگیت اس گھر میں رہے گی۔ سمجھیں!"

سنگیت نے فضا میں تلخی گھلتی ہوئی دیکھی تو بولی۔ "آپ مجھے جانے دیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کے دلوں میں نفرت ہو۔ اس گھر کا سکون تباہ و برباد ہو جائے۔ گھر کی خوشیاں میری ذات کی وجہ سے برباد ہو جائیں۔ نالی کا کیڑا نالی ہی میں ٹھیک رہتا ہے۔ مخمل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند نہیں لگا۔ آپ نے میری عزت اور جان بچانے کے لئے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی .... کاش! میں آپ کا یہ احسان اتار سکتی۔ میں احسان تو نہیں اتار سکتی لیکن دعا تو کر سکتی ہوں۔ ہر گھڑی آپ سب کے لئے دعا کرتی رہوں گی۔"

نازنین اس کی باتیں سن کر چونک پڑی۔ اسے سنگیت بڑی حساس، بے غرض اور بہت ہی پیاری لگی۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس کی زبان سے یہ بات نہیں نکلتی۔ وہ اسے مہذب اور شائستہ مزاج لگی۔ عام قسم کی لڑکی ہوتی تو وہ اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاتی اور جانے کا نام نہیں لیتی۔

بیگم رشیدہ بانو نے سنگیت کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ ناگواری سے شوہر کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔ "اس کی جان بچانے کے لئے آپ نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی...........؟ اس کا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔"

"نہیں .... سنگیت بیٹی! تم یہاں سے کسی قیمت پر نہیں جاؤ گی۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولے۔ پھر وہ نازنین کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ "نازنین! تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ اسے اپنا ایک جوڑا دے دینا تاکہ نہا کر پہن لے۔ جاؤ بیٹی! تم نازنین کے ساتھ جاؤ۔"

"آیئے باجی!" نازنین نے اسے بڑی اپنائیت اور محبت سے مخاطب کیا۔ "میرے

کمرے میں چلیں۔"

محمد علی خوندکر کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ اپنی بیوی سے بولے۔ "نازنین بھی آخر تمہاری ہی بیٹی ہے۔ اس سے محبت اور خلوص کا سبق سیکھو۔ اس کے سینے میں کتنا بڑا اور حساس دل ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آخر میری بیٹی جو ہے۔ وہ مجھ پر گئی ہے' شاباش بیٹی! دنیا میں اخلاق سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے۔"

"کل کچھ ہوا تو میں اس کی ذمے دار نہیں ہوں گی۔" وہ ہذیانی لہجے میں بولیں۔ "مجھے دوش نہ دینا.......... لیکن آپ ایک بات یاد رکھیں' باپ بیٹی اپنا سر پکڑ کے روئیں گے۔"

نازنین اپنی امی کی بات سن کر بے اختیار مسکرا دی۔ پھر وہ سنگیت کی طرف بڑھی۔ اس نے سنگیت کے پاس جا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اسے کمرے سے لے کر نکل گئی۔

انھوں نے بیگم رشیدہ بانو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر پلا دو.......... سنگیت کے نہا کر تیار ہونے میں کچھ دیر لگے گی۔ میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ جب وہ نہا کر نکلے تو بوا سے کہنا کہ وہ کھانا لگا دے.......... اور ہاں سنگیت کا تم ہر طرح سے خیال رکھو گی۔ اس کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ مجھے بہت دکھ ہو گا۔"

اسی وقت بوا کسی کام سے آئی تو وہ اس سے تیز لہجے میں بولے۔ "سنگیت اس گھر میں ایک بیٹی کی طرح رہے گی۔ اگر تم نے اسے شکایت کا موقع دیا تو میں تمہیں کھڑے کھڑے نکال دوں گا۔ تمہاری بیس برس کی نوکری کا بھی خیال نہیں کروں گا۔"

"جی اچھا صاحب!" سونی بوا نے سر ہلایا اور کمرے سے نکل گئی۔ اس نے دل میں کوئی حسد محسوس نہیں کیا۔ اسے سنگیت پر رشک آیا کیونکہ وہ اس کی ہم پیشہ تھی۔ حالات نے سنگیت کو ذرے سے آفتاب بنا دیا تھا۔

"یہ نوکرانیاں' ماسیاں بڑی چور ہوتی ہیں۔" بیگم رشیدہ بانو نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "آپ دیکھ لینا.......... کسی دن آپ کی منہ بولی بیٹی گھر میں جھاڑو پھیر دے گی..........؟"

"اللہ نے اس قدر نوازا ہے کہ اس کے لے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا نہ اس سمندر میں کوئی کمی آئے گی۔ اگر اس کے مقدر میں لکھا ہے تو اسے مل جائے گا۔" وہ بے پروائی سے بولے۔

"آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ آپ کی بہن اور بھائی' خاندان کے لوگ دوست اور احباب کیا کہیں گے؟"

"کیا کہیں گے..........؟" انہوں نے بیوی کا ہاتھ پکڑ کر پلنگ پر بٹھا لیا اور ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگے۔

"کہیں گے کہ آپ کو یہ دور کی کیا سوجھی..........؟ کسی کو آپ کی یہ عظیم حرکت بالکل پسند نہیں آئے گی۔" بیگم رشیدہ بانو نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "کاشف اور بہو اور بچے اس بات کو سخت ناپسند کریں گے۔ وہ سب آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ یہ آپ نے سوچا ہے۔"

"سنو رشیدہ بانو!" محمد علی خوندکر نے تیز لہجے میں کہا۔ "یہ میرا گھر ہے' اس گھر کو میں نے اپنے بازوؤں کی کمائی سے بنایا ہے۔ اس میں میری بے پناہ اور رات دن کی محنت شامل ہے۔ یہ مجھے ورثہ میں نہیں ملا ہے۔ میں نے اپنی بہن اور بھائیوں کو یہاں ایک بڑے بھائی اور باپ کی حیثیت سے رکھا ہے۔ ہر شخص کو اپنی مرضی اور خوشی سے زندگی گزارنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ جس طرح میں نے کبھی کسی کی زندگی اور ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیا اسی طرح میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے کسی معاملے میں دخل اندازی نہ کریں۔ کیا مجھے اتنا بھی اختیار حاصل نہیں ہے کہ میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزاروں۔ اگر تمہیں سنگیت کو لا کر یہاں رکھنا ایک آنکھ نہیں بھا رہا ہے تو تم کہیں اور جا کر خوشی سے رہ سکتی ہو۔"

"آپ ایک اجنبی' حقیر اور ایک دو ٹکے کی لڑکی کے لئے اس قدر جذباتی ہو رہے ہیں۔" وہ حیرت اور غصے سے بولیں۔

"اب وہ حقیر اور ماسی نہیں رہی ہے۔ وہ محمد علی خوندکر کی بیٹی ہے۔ میں نے اسے بیٹی بنایا ہے۔ اسے زبان دی ہے اگر اس کے ساتھ گھر میں کسی نے امتیازی سلوک کیا تو

اسے گھر سے نکال باہر کروں گا۔ کان کھول کر سن لو۔ یہ بات بیٹی اور بہو کو بھی سنا دینا۔" وہ بے حد سنجیدہ ہو گئے تھے۔

☆======☆======☆

نازنین سنگیت کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ سنگیت کو اس کا کمرہ بہت پسند آیا۔ نازنین نے اس سے پوچھا۔ "باجی! آپ کو میرا کمرہ پسند آیا' کیسا ہے؟ میں نے اپنی پسند سے اس کی تزئین و آرائش کی ہے۔ اس گھر میں سب سے اچھا اور خوبصورت کمرہ میرا ہے۔"

"میں نے دو تین اونچے گھروں کے کمرے دیکھے ہیں جن کی آرائش و زیبائش پر رقم پانی کی طرح بہائی گئی تھی لیکن اس جیسا خوبصورت کمرہ میں نے کسی گھر میں نہیں دیکھا۔" سنگیت تعریفی لہجے میں بولی اور چاروں طرف گھوم کر کمرے کی ایک ایک چیز کو پرستائش نظروں سے دیکھنے لگی۔ "نوادر تو بڑے لاجواب ہیں۔"

"یہ سارے نوادر ابو نے مجھے امریکہ اور یورپ سے لا کر دیئے ہیں۔" نازنین نے اسے بتایا۔

سنگیت نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔ "لیکن اس کمرے میں ایک ایسی انمول اور انوکھی چیز ہے جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر اور مسحور کیا ہے۔"

"وہ کون سی چیز ہے......؟" نازنین نے اس کی طرف حیرانی بھری نظروں سے دیکھا۔ "کیا وہ چیز نوادر میں سے ہے؟"

"اس کا مقابلہ دنیا کے تمام نوادر بھی مل کر نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ چیز آپ ہیں۔" سنگیت یک لخت بے حد جذباتی ہو گئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے گوشوں میں صاف و شفاف موتی دمکنے لگے۔

"کون...... میں......!" نازنین حیرت سے اچھل پڑی۔ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ "آپ میری اتنی تعریف کر رہی ہیں' مجھے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ نہیں بھئی' اتنی تعریف نہ کریں۔"

"نہیں ...... میں آپ کی جھوٹی تعریف کر رہی ہوں نہ خوشامد......" سنگیت

کی آواز بھرا سی گئی۔ "ہم غریبوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ امیروں کے سینے میں دل نہیں ہوتا لیکن یہ بات آج غلط ثابت ہو گئی آپ کے ابو نے مجھے ان درندوں سے بچایا جو مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔ میں بے ہوش ہو گئی تھی ان کی گاڑی سے ٹکرا کر...... وہ مجھے گاڑی میں ڈال کر ان بدمعاشوں کے نرغے سے نکال لائے۔ میں نے ہوش میں آنے کے بعد انہیں اپنے ماضی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ کوئی بات نہیں چھپائی...... اس کے باوجود انہوں نے مجھے بیٹی بنا لیا۔ میں ان کی بیٹی بننے کے لئے اس لئے آمادہ ہو گئی کہ میں محبت کی پیاسی ہوں۔ میں عین جوانی میں ماں باپ کے گھنے سائے سے محروم ہو گئی۔ میرا نہ تو کوئی بھائی ہے اور نہ بہن۔ میں ان کے پیار کے لئے ترستی رہی ہوں۔ میں گھروں میں ماسی کا کام کرتے ہوئے ایک گھر اور محبت کے لئے ترستی رہی۔ مجھے محرومیاں ڈستی رہتی ہیں۔ آج آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو میں بتا نہیں سکتی کہ آپ کے ہاتھ میں' میں نے کیسا انوکھا اور لطیف لمس محسوس کیا۔ یہ لمس برقی لہروں کی طرح میری نس نس میں پھیل گیا اور پھر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آپ سچ مچ کی میری بہن ہیں' میری ماں ہیں۔ میں اپنی ماں کی ممتا کو محسوس کر رہی ہوں۔ آپ سے میرا بظاہر کوئی رشتہ نہیں لیکن ایک رشتہ ہے۔ ہم صدیوں سے ایک رشتے میں پروئے ہوئے ہیں۔ آپ نے مجھے محبت دی اور سرفراز کیا۔ سچ پوچھئے تو میں کسی بھی لحاظ سے اس کی اہل نہیں ہوں۔"

"دنیا کی ہر عورت ایک دوسرے کی بہن' ماں اور بیٹی بھی ہوتی ہے۔" نازنین مسکرائی۔ پھر وہ حیرانی سے بولی۔ "سچ مچ بتایئے ...... کیا آپ واقعی ایک ماسی ہیں؟ آپ ایک ماسی کی بیٹی ہیں؟"

"جی ہاں۔" سنگیت نے سر ہلایا۔ "کیا آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا ہے؟"

"جی ہاں ...... یقین نہیں آ رہا ہے۔ کیونکہ آپ کے شستہ لب و لہجے اور باتوں سے ذرہ برابر بھی محسوس نہیں ہو رہا ہے؟ ایک ماسی ہرگز اس طرح کی باتیں نہیں کر سکتی۔"

"یہ سوال اور حیرت کا اظہار آپ کے ابو بھی کر چکے ہیں۔ میں اس کا جواب انہیں دے چکی ہوں۔ بعد میں آپ کو بھی بتاؤں گی۔" سنگیت نے کہا۔

"ابو صرف میرے ہی نہیں بلکہ آپ کے بھی ہیں۔" نازنین دلفریب انداز سے مسکرائی۔ "آپ جلدی سے چل کر نہالیں۔ ایک منٹ ٹھہریں۔ میں آپ کے لئے جوڑا نکال دوں اتفاق سے قدبت اور جسم ہم دونوں کا ایک سا ہے۔ میرے تمام کپڑے آپ کو بالکل ٹھیک آئیں گے۔" نازنین سنگیت کے سراپا پر تنقیدی نظر ڈال کر بولی۔

نازنین نے الماری میں سے اپنا ایک بہترین جوڑا نکالا جو پیازی رنگ کا تھا۔ سنگیت اس کے ہاتھ سے جوڑا لے کر غسل خانے میں چلی گئی۔ پھر اس نے اندر سے چٹخنی لگالی۔

سنگیت نے جوڑا کھونٹی سے لگانے کے بعد اپنا بوسیدہ لباس اتار کر ایک کونے میں ڈال دیا۔ تب اسے ایسا لگا جیسے اس نے اپنا ماضی اور اپنی بوسیدہ زندگی کو اتار پھینکا ہو۔ غسل خانے میں ہر چیز موجود تھی۔ شیمپو' خوشبودار صابن' باتھ ٹب اور شاور .... اس نے نہانے میں آدھا گھنٹہ صرف کر دیا۔ نہانے کے بعد وہ اپنے آپ کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

وہ چند لمحوں تک اپنے آپ کو آئینے میں مختلف زاویوں سے دیکھتی رہی۔ پھر وہ بالوں کو ٹرکش تولیے سے پونچھتی اور جھاڑتی ہوئی کمرے میں آئی تو اس نے دیکھا نازنین ایک انگریزی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ وہ سنگیت کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ رسالہ اس نے میز پر رکھ دیا۔

نازنین نے اس کے بے مثل حسن و جمال کو دیکھا تو اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ بوسیدہ لباس اور میل میں بھی اسے سنگیت بہت حسین اور پُرکشش دکھائی دی تھی۔ اس لباس میں وہ کوئی سلگتا ہوا لاوا لگ رہی تھی۔ کتنا خطرناک حسن تھا۔ وہ ایک قیامت تھی۔ نازنین دم بخود تھی اور محویت سے اس کی صورت تک رہی تھی۔ وہ بے عیب اور نازک سی تھی۔ اس کے سراپے میں بجلیاں چھپی ہوئی تھیں اور اس کی حشر سامانیاں واضح ہو گئی تھیں۔

"یہ آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟" سنگیت نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

"میں قدرت کی صناعی کا شاہکار دیکھ رہی ہوں۔" نازنین نے چونک کر جواب دیا۔

"ایسا لگ رہا ہے کہ آپ کو قدرت نے اپنے کارخانے میں اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے۔"

"اچھا......" سنگیت کھلکھلا کر ہنس پڑی تو اس کی ہنسی جلترنگ کی طرح بج اٹھی۔

"یہ مہتاب چہرہ!" نازنین نے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں سنگیت کا حسین چہرہ بھر لیا تو اسے ایسا لگا جیسے اس کے ہاتھوں میں چودھویں کا چاند آ گیا ہو۔ وہ ٹھہر ٹھہر کے کہنے لگی۔ "زلفوں کی سیاہ ریشمی گھٹائیں' یہ رخساروں کے کنول' ہونٹوں کے گلاب' جھیل سی آنکھوں کی گہرائیاں جس میں کوئی ڈوب جائے تو اسے باہر کا راستہ نہ ملے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ اللہ نے آپ کو فرصت سے بنایا ہے۔"

سنگیت سرخ ہو کر بولی۔ "کیا آپ شاعرہ ہیں؟"

"شاعرہ تو نہیں ہوں مگر آپ کو دیکھ کر ہر کوئی شاعر بن جائے گا۔" نازنین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سنگیت کے لمبے لمبے بالوں میں نازنین نے بڑی محبت سے کنگھی کی۔ اس کے خوبصورت بالوں کو دیکھ کر نازنین نے دل میں سوچا کاش! وہ اپنے بالوں کو گردن تک نہیں کٹواتی۔ اسے سنگیت کے بالوں پر بڑا رشک آ رہا تھا۔

اسی اثنا میں سونی بوا ان دونوں کے لئے کولڈ ڈرنکس لے آئی۔ اس نے جو سنگیت کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ سنگیت کے حسن و جمال نے اسے بڑا حیران اور متاثر کیا تھا۔ اس وقت نازنین اپنے زیورات میں سے ایک لاکٹ اور آویزے نکال کر سنگیت کو پہنا رہی تھی۔ اس لاکٹ اور آویزے نے سنگیت کے حسن میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

کچھ دیر کے بعد سونی بوا نے کمرے میں آ کر کہا۔ "بڑے صاحب آپ دونوں کو بلا رہے ہیں۔"

"ابو کہاں ہیں؟" نازنین نے پوچھا۔ "اپنے کمرے میں ہیں یا نشست گاہ میں؟"

"نشست گاہ میں ہیں۔" سونی بوا نے سنگیت کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا وہاں ابو کے علاوہ کوئی اور موجود ہے؟" نازنین نے دریافت کیا۔

"وہاں تو سبھی موجود ہیں جی۔" سونی بوا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

"چھوٹے صاحب اور ان کی بیوی بچے بھی موجود ہیں۔"

"کیا؟" نازنین نے حیرت سے کہا۔ "سارے زمانے کو خبر ہو گئی۔ اچھا .... تم جاؤ' ہم دونوں آ رہی ہیں۔"

محمد علی خوندکر کہیں سے ایک ماسی کو لے کر آئے ہیں اور اسے اپنی بیٹی بنا لیا ہے۔ یہ خبر کوٹھی میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ ہر کسی کو یقین نہیں آیا۔ جس نے بھی سنا وہ حیران رہ گیا۔ سونی بوا نے یہ خبر کاشف کو بھی سنا دی تھی۔ پوری کوٹھی کے افراد میں ایک سنسنی پھیل گئی تھی۔ سنگیت کو دیکھنے کے لئے سبھی حیرت اور تجسس کے زیر اثر چلے آئے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔ انہوں نے خاندان کے تمام افراد کو نشست گاہ میں بٹھا دیا تھا۔ ایک طرف لڑکے بیٹھے تھے تو دوسری طرف لڑکیاں موجود تھیں۔ ان کی بڑی بہن اور بہنوئی' دونوں بھائی اور بھابیاں بھی موجود تھیں۔ ان کے بچے بھی تھے۔ اس کا اس طرح انتظار کیا جا رہا تھا جیسے وہ بہت ہی کمتر اور حقیر شے ہو۔ اس کا مذاق اڑانے اور کیڑے نکالنے کے لئے سب بے چین ہو رہے تھے۔ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ایک حیرت تھی کہ آخر اس ماسی میں ایسی کیا خوبی ہے جس نے انہیں بیٹی بنانے پر مجبور کر دیا۔

محمد علی خوندکر خود بھی یہ چاہتے تھے کہ اپنے خاندان کے افراد سے سنگیت کو متعارف کرا دیں۔ ان تمام پر یہ بات واضح کر دیں کہ سنگیت ان کی سگی بیٹی نازنین کی طرح ہے۔ سنگیت سے نہ کوئی نفرت سے پیش آئے گا نہ اسے تحقیر کی نظروں سے دیکھے گا بلکہ اسے بھی خاندان کا ایک فرد سمجھتے ہوئے عزت کا سلوک کیا جائے گا۔ بالفرض محال کسی نے سنگیت سے ہتک آمیز برتاؤ روا رکھا تو ان سے برا کوئی نہ ہو گا۔

"بھائی جان!" فیروز نے سنگیت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو بیٹھے بٹھائے یہ کیا سوجھی؟ ایک ایسی لڑکی کو جو نہ صرف اجنبی ہے بلکہ ماسی ہے۔ ماسی خاندان کی ہے اسے لے آئے اور بیٹی بھی بنا لیا؟"

"میں اس کی وضاحت کرنے سے قاصر ہوں۔" انہوں نے جواب دیا۔ "مجھے اس لڑکی اور اس کی شخصیت نے بہت متاثر کیا۔ اس پر جو افتاد نازل ہوئی' جس طرح اس نے مقابلہ کیا وہ قابلِ داد تھا۔ جانے کیوں ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں

نہ میں اسے بیٹی بنا لوں۔ میں اسے اس خیال سے لے آیا۔ اتنی سی بات ہے۔"

"بعض اوقات کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جس سے ایک شخص جذباتی ہو کر کچھ فیصلے کر لیتا ہے۔" حشمت علی نے کہا۔ "مگر بھائی جان! اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اس پر عمل بھی کرے۔ آپ نے اس ماسی لڑکی کو پناہ دے دی۔ بیٹی بنا لیا لیکن آپ نے دوسرے پہلو پر نہیں سوچا کہ یہ لوگ کیسی نیچ فطرت کے ہوتے ہیں۔ کل کوئی اس کا بھائی یا بہن' چچا یا ماموں اور کوئی قریبی رشتہ دار آ دھمکے گا۔ کیا آپ انہیں بھی ساتھ رکھ لیں گے؟"

"میں کسی کی نصیحت' مشورے اور اعتراضات سننے کا عادی نہیں ہوں۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں کوئی بچہ نہیں ہوں میں اپنا اچھا برا سمجھتا ہوں۔ مجھے اس دنیا کا' لوگوں کا بہت تجربہ ہے۔"

"مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ ان پر اس لڑکی نے جادو کر دیا ہے .... بنگلہ دیش میں جادوگروں' سفلی علم کے ماہروں اور جادوگرنیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔" بیگم رشیدہ بانو نے اپنی دیورانی سے کہا۔

"اس نے مجھ پر جادو ہی تو کر دیا ہے۔" وہ ہنس کر بولے۔ "اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ وہ ایک جادوگرنی ہے۔ وہ تم سب کو اپنے جادو سے اپنا اسیر بنا لے گی۔"

انہوں نے غلط نہیں کہا تھا۔ اسی لمحے سنگیت نازنین کے ساتھ سبک خرامی سے نشست گاہ میں داخل ہوئی۔ ایک بھنبھناہٹ ہوئی مگر وہ پُرسکون رہی۔ اس نے ان سب پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر سلام کیا۔ پھر وہ بے حد اعتماد اور وقار سے ان سب کے سامنے کھڑی رہی۔ اس کے حسن و جمال کا فسوں چھا گیا۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ سب حیرت اور محویت سے سنگیت کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا سنگیت جیسے کوئی حور ہے جو آسمان سے اتری ہو۔ اس لباس میں وہ قیامت بن گئی تھی۔ اس کا چہرہ ایسا دمک رہا تھا جیسے گھٹاؤں میں سورج' لطافت و ملاحت میں لاجواب' چاند ایسا چہرہ ان سب نے کہاں دیکھا تھا۔ مرد اور تمام لڑکے دم بخود تھے۔ عورتیں اور لڑکیاں گنگ سی تھیں۔ ان سب کو ایسا لگ رہا تھا کہ چودھویں کا چاند زمین پر اتر آیا ہو۔ لڑکے مضطرب اور ریشہ خطمی ہو گئے

تھے۔

محمد علی خوندکر اپنی جگہ سے اٹھ کر سنگیت کے پاس گئے۔ سنگیت نے تمام لوگوں کی نگاہوں کی گرفت میں اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ لوگ اسے عجیب اور تمسخر کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ لڑکوں کی نگاہوں کی زبان اس سے کچھ کہے دے رہی تھی، مگر اسے ان نظروں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"یہ میری منہ بولی بیٹی سنگیت ہے۔" انہوں نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی کہا ہے کہ اس میں اور نازنین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سنگیت سے ہر کوئی محبت، عزت اور شفقت سے پیش آئے گا۔ اس کی بے عزتی اور تضحیک میری بے عزتی اور تضحیک ہو گی۔"

چند ثانیوں کے لئے پورے ماحول پر ایک سناٹا سا چھا گیا۔ وہ اپنے خاندان کے افراد کی طرف دیکھنے لگے تاکہ ان میں سے کوئی کچھ کہے تو وہ اس کا جواب دیں۔ کسی نے ایک لفظ بھی کچھ نہیں کہا۔ پھر وہ کسی کام سے نشست گاہ سے نکل گئے تو مرد اور عورتیں بھی چلی گئیں۔ کچھ لڑکے اور لڑکیاں رہ گئیں۔ نازنین نے اپنی رشتہ دار بہن بھائیوں کا سنگیت سے تعارف کرایا۔ سنگیت نے انہیں سلام کیا۔ ہاتھ ملانا چاہا تو کسی نے اس سے ہاتھ نہیں ملایا۔

لڑکیوں اور لڑکوں نے سنگیت کی کھنچائی کے خیال سے اسے اور نازنین کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ وہ سنگیت کی دل آزاری کرنے کے موڈ میں تھے۔

گلنار نے سب سے پہلا پتھر پھینکا۔ "مس سنگیت! اس محل میں آکر آپ کیا محسوس کر رہی ہیں؟"

"بہت اچھا.........." سنگیت نے جواب دیا۔ "میں کسی سپنے کی طرح محسوس کر رہی ہوں۔"

"سپنوں جیسی وادی میں کتنے دنوں تک ڈیرا جمانے کا ارادہ ہے؟" فرحان نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"سنگیت باجی! سدا کے لئے آئی ہیں۔" سنگیت کے بجائے نازنین نے جواب دیا۔

"آپ کے پیٹ میں درد کیوں ہو رہا ہے؟"

"نازنین نے ابھی سے اپنی منہ بولی بہن کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔ کیا جادو ہے بھئی؟"

"جب تک میری قسمت میں لکھا ہے میں یہاں رہوں گی لیکن آپ لوگوں سے ملنے کے بعد جی نہیں چاہ رہا ہے کہ یہاں سے چلی جاؤں .... آپ بہنوں اور بھائیوں سے مل کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔"

"آپ اب تک کتنے گھروں میں کام کر چکی ہیں؟" نیلم نے استہزائی لہجے میں پوچھا۔

"ڈھاکہ کے پوش علاقوں میں کام کیا ہے یا شہر کے محلوں میں..........؟"

"نیلم!" نازنین نے برہمی سے کہا۔ "یہ تم ان کا ماضی کرید کر دل آزاری کیوں کر رہی ہو؟"

"پتا تو چلے نا کہ کتنا تجربہ ہے۔" نیلم چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ بات پوچھنے میں حرج ہی کیا ہے۔ تمہیں اعتراض کس لئے ہو رہا ہے۔ اس میں دل آزاری کی کیا بات ہے۔ تم کچھ بھی کہہ لو۔ یہ ماسی تھی اور رہے گی۔ گھر اور اوقات بدل جانے سے یہ تو بدل نہیں جائے گی۔ ہمارے خاندان کی نہیں کہلائے گی۔"

"تم ان کی خوش قسمتی پر جل کر کباب کیوں ہو رہی ہو؟" نازنین کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "یہ تو اللہ نے انہیں ذرے سے آفتاب بنایا ہے۔ تمہیں کسی کی ذاتیات پر ایسی گفتگو زیب نہیں دیتی۔ سنگیت باجی تمہاری نظر میں ماسی ہوں گی لیکن یہ میری باجی ہیں۔ ابو کی بیٹی ہیں۔ اگر تم نے آئندہ تضحیک آمیز باتیں کیں تو میں ابو سے تمہاری شکایت کر دوں گی۔"

"آپ اس قدر جذباتی کس لئے ہو رہی ہیں؟" راحیل نے نیلم کی طرفداری کی۔

"یہ سگی بہن نہیں ہے۔"

"آپ لوگ کچھ بھی کہہ لیں اور سمجھ لیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سنگیت باجی میرے لئے سگوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ایسی باتوں سے ان کی عزت کم نہیں ہو گی۔" نازنین نے تلخی سے کہا۔

"آپ لوگ میری وجہ سے دلوں میں بدمزگی پیدا نہ کریں۔" سنگیت کہنے لگی۔ "میں اپنا ماضی چھپانا نہیں چاہتی' میری ماں بھی ماسی تھی۔ میں نے ماں کی زندگی تک اس کے ساتھ بہت سارے گھروں میں کام کیا۔ ماں کی موت کے بعد صرف ایک گھر میں کام کرتی رہی۔ پھر میرے حالات نے مجھے یہ کام چھوڑنے پر مجبور کیا۔ پھر میری قسمت مجھے یہاں لے آئی۔"

"تمہیں تو باتیں کرنے اور بولنے کا فن بھی آتا ہے۔" عالیہ نے فقرہ کسا۔ "لگتا ہے کہ وی سی آر پر ہندوستانی بنگلہ فلمیں خوب دیکھتی ہو..........؟ للتا دیوی کی طرح فرفر بولتی ہو۔"

"ایک ماسی کی اوقات ہی کیا ہوتی ہے؟ اسے کہاں نصیب ہو گا وی سی آر پر فلمیں دیکھنا .... اسے تو کھانا پینا اور اچھے کپڑے بھی نصیب نہیں تھے۔ تم لوگوں نے اس کا لباس دیکھا جس میں یہ ملبوس تھی۔" نجم النہار نے حقارت سے کہا۔

"میں جس گھر میں کام کرتی تھی اس میں تیس انچ کا ٹیلی وژن تھا۔ نہ صرف وی سی آر تھا بلکہ لیڈ بھی تھی۔ اس گھر میں سارا دن ٹی وی چلتا رہتا تھا۔ میں فلمیں بھی دیکھتی تھیں میری پسندیدہ اداکارہ للتا دیوی ہے۔"

"آج کل کی نوکرانیوں کو تم لوگ کیا سمجھتے ہو۔" کفیل احمد نے کہا۔ "ان کے گھر جا کر ان کے ٹھاٹ باٹھ دیکھو۔ یقین نہیں آئے گا۔ ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن گھروں میں یہ کام کرتی ہیں وہاں کھانا اور کپڑے لتے مفت میں مل جاتے ہیں۔ اسی لئے ان کے پاس بہت پیسہ ہوتا ہے۔"

"کیوں مس سنگیت!" راحیل نے تمسخر سے دریافت کیا۔ "کفیل احمد کیا سچ کہہ رہے ہیں؟"

"جی ہاں.........." سنگیت نے اعتراف کیا۔ "بہت ساری وہ ماسیاں جو کوٹھیوں اور بنگلوں میں کام کرتی ہیں ان کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہوتی ہیں۔ گھر کے جتنے افراد کام کرتے ہیں ان کے اتنے ہی عیش ہوتے ہیں۔"

"جب ان کے پاس دولت آ جاتی ہے تو پھر وہ کیوں ماسی کا کام کرتی ہیں؟" عالیہ نے

پوچھا۔

"اس لئے کہ یہ ذریعہ آمدنی ہوتا ہے اور وہ اس کی عادی ہو جاتی ہیں۔ دولت ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ اس کے علاوہ کوئی کام کر سکتی ہیں نہ انہیں کوئی اور کام آتا ہے۔"

"آپ لوگ دیکھیں گے کہ مس سنگیت باجی اپنی عادت سے مجبور ہو کر ہم لوگوں کے ہاں بھی ماسی کا کام شروع کر دیں گی۔ میں تو انہیں اپنے ہاں ماسی رکھ لوں گی' آپ لوگ بھی رکھ لیں۔"

یہ بات نیلم نے تمسخر کے انداز سے کہی تھی۔ لڑکے اور لڑکیاں قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں۔ نازنین کو اس کی باتیں ڈنک بن کر لگیں تو وہ نفرت اور غصے سے بھڑک اٹھی۔ پھر اس نے بڑی حقارت سے نیلم کو مخاطب کیا۔ "نیلم! تم حد سے بڑھ رہی ہو .... اپنی زبان کو لگام دو.........."

"تم میرا کیا بگاڑ لو گی.........؟" نیلم نے اکڑتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں دھنک کر رکھ دوں گی .... تمہارے چہرے کا جغرافیہ بگاڑ دوں گی۔" نازنین نے طیش میں آ کر کہا۔

"تم مجھ سے دو کوڑی کی لڑکی کے لئے الجھ رہی ہو۔" نیلم غضب ناک ہو گئی۔ "میں تو اپنے پیر کی جوتی بھی نہیں سمجھتی۔ تم اس کمینی کو ابھی سے سر چڑھا رہی ہو.........."

نازنین سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے آگے بڑھ کر نیلم کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ "تم اپنی بکواس بند نہیں کرو گی۔ تم نے انہیں دو کوڑی کا اور کمینی کیوں کہا؟"

نیلم بھونچکی سی ہو گئی۔ سب پر سناٹا سا چھا گیا۔ اگلے لمحے وہ بپھر کر اور اپنا گال سہلاتے ہوئے بولی۔ "تم نے ایک نوکرانی کے لئے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ اس کے اور سب کے سامنے میری بے عزتی کی ہے۔ میں بھی دیکھتی ہوں کہ یہ کمینی اس گھر میں کیسے رہتی ہے۔ میں ڈیڈی سے تمہاری شکایت کروں گی۔" وہ پیچ و تاب کھاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"نازنین! آپ نے نیلم پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔" راحیل نے ملامت کے انداز میں کہا۔ "آپ نے اس کی باتوں کا اس قدر شدید اثر کیوں لے لیا؟ آخر نیلم آپ کی کزن ہے جبکہ اس لڑکی سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہے اور پھر ان محترمہ کو گھر میں قدم رکھے پورے تین گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہیں۔"

"کیا آپ میرے مزاج سے واقف نہیں ہیں؟" نازنین نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "مجھ سے کسی کی تذلیل و توہین بالکل برداشت نہیں ہوتی۔ ہر وہ شخص جو کسی ایسے پیشے سے وابستہ ہوتا ہے جہاں محنت سے رزق حلال حاصل ہوتا ہے وہ عزت اور مقام رکھتا ہے۔ ماسیاں بھی محنت کر کے پیسے کماتی ہیں۔ جب ابو نے انہیں اتنی عزت دی۔ گھر میں جگہ دی' منہ بولی بیٹی کہا۔ اس کے باوجود سنگیت باجی کی توہین کی جا رہی ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ نیلم نے سنگیت باجی کی نہیں بلکہ میرے ابو کی توہین کی ہے۔ انہیں گالیاں دی ہیں۔ اگر خاندان میں کسی نے ان کی اس طرح بے عزتی کرنے کی کوشش کی تو میں اس کا بھی ایسا ہی حشر نشر کروں گی۔"

"راحیل بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تمہیں نیلم کے منہ پر سب کے سامنے تھپڑ نہیں مارنا چاہئے تھا۔ تم ابھی اور اسی وقت چل کر نیلم سے معافی مانگو۔" عالیہ نے تلخی سے کہا۔

"میں نیلم سے معافی مانگوں.........؟ بہت خوب......... میں اس سے جا کر اس لئے معافی مانگوں کہ اس نے میری باجی کی سب کے سامنے تضحیک کی ہے۔ کوئی تمہارے منہ پر تھوک دے تو کیا تم اس سے معافی مانگ لو گی۔" نازنین نے تنک کر کہا۔

"تم پر لگتا ہے اس نے کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیا ہے۔ اس لئے تم ایک حقیر اور بہت ہی معمولی عورت کو بہن بنا کر اترا رہی ہو۔ آخر اس میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں؟"

"میں نے حق بات کی ہے' مجھے حق بات کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔" نازنین نے کہا۔

"اس نے صرف تم پر نہیں بلکہ تایا ابو پر بھی کوئی منتر پھونک دیا ہے۔ مجھے تو یہ

سفلی علم کی ماہر معلوم ہوتی ہے۔ تم اور تایا ابو کسی دن اس کے جال میں پھنس کر کہیں کے نہیں رہیں گے۔" عالیہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"سنگیت باجی محبت کے علم کی ماہر ہیں۔ یہ جادوگرنی ہیں' ان کا جادو مجھ پر اور میرے ابو پر چل گیا ہے۔ ایک دن تم سب دیکھ لو گے کہ سنگیت باجی نے تم سب کو' پورے خاندان کو اپنا اسیر بنا لیا ہے۔"

"میری خالہ اور ان کی بیٹی پر ایک فقیرنی نے جادو کر کے سارے زیورات ہتھیا لئے تھے۔" نجم النہار بولی۔ "یہ بھی مجھے ویسی ہی جادوگرنی لگ رہی ہے' یہ ہم پر جادو نہ کر دے۔ یہ خاموش کھڑی شاید دل میں منتر پڑھ رہی ہے۔ اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے۔"

"مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔" عالیہ نے اس کی تائید کی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی تو سب اس کے پیچھے پیچھے تیزی سے بڑبڑاتے ہوئے نکل گئے۔ نازنین ان کی سراسیمگی دیکھ کر ہنس پڑی۔

"میری وجہ سے اس گھر کی فضا خراب ہو رہی ہے۔" سنگیت نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آئندہ کوئی بھی میرے خلاف کچھ بھی کیوں نہ کہے اسے سرزنش نہ کریں۔ الجھیں نہیں' جو برا کہتا ہے' لعن طعن کرتا ہے کرنے دیں' ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے' وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔"

"سنگیت باجی! آپ کو میں کیا بتاؤں کہ ان سب میں کس قدر رعونت بھری ہوئی ہے۔" نازنین کہنے لگی۔ "یہ نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ اس تکبر کی وجہ شاید ماں باپ کی تربیت ہے۔ وہ آج سے نہیں ہمیشہ سے چھوٹے موٹے لوگوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ سب کے سامنے ذلیل کرنا اور مذاق اڑانا شیوہ بنا لیا ہے انہوں نے۔"

"دراصل یہ سب دولت کا گھمنڈ اور غرور ہے لیکن آپ اس کے برعکس ہیں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں' میں ان سے تنہا مقابلہ کروں گی۔" سنگیت نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"وہ کس طرح.........؟" نازنین نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"وہ اس طرح کہ میں ان کے منہ نہیں لگوں گی۔ ان کی کسی بھی نامعقول بات کا

جواب نہیں دوں گی۔ ان کی ہر بات کو خاموشی سے برداشت کرلوں گی۔ ایک دن خود ہی تھک کر چپ ہو جائیں گے۔"

"آپ نے تو بہت ہی شاندار تدبیر سوچی ہے۔ اس طرح سانپ بھی مر جائے گا' لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔"

☆======☆======☆
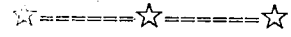
ادھر کاشف اور اس کی بیوی ثمرین' بیگم رشیدہ بانو کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ کاشف نے کہا۔ "امی جان! یہ ابو کو دور کی کیا سوجھی۔ ایک اجنبی ماسی لڑکی کو گھر لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے بہت سوچا لیکن میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔" بیگم رشیدہ بانو نے اپنا ماتھا پیٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے ان سے بہت کہا کہ ہزار پانچ سو ٹاکا دے کر اسے بھیج دیں' ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔"

"اصل بات یہ ہے امی جان!" ثمرین بولی۔ "سنگیت بہت حسین اور موہنی شکل و صورت کی ہے۔ وہ شاید اس کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر لے آئے ہیں۔ میں نے بھی ایسی حسین لڑکیاں شاذ و نادر دیکھی ہیں۔"

"بنگلہ دیش میں ابھی جادوگروں اور جادوگرنیوں کا خاتمہ نہیں ہوا ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔" بیگم رشیدہ بانو کہنے لگیں۔ "ان جادوگرنیوں نے گھریلو اور ازدواجی زندگیاں تباہ کر کے رکھ دی ہیں۔ ایک تو اس نے تمہارے ابو کو اپنے جادو کے زور سے قابو میں کر لیا ہے۔ تم لوگوں نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ نازنین بھی اس کا کلمہ پڑھنے لگی ہے۔ یہ جادو منتر نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ میں بھی اب یہ محسوس کر رہی ہوں اس کے جادو کے زیر اثر آ رہی ہوں۔ کیونکہ میرے دل میں اس کے لئے محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ میں کل ہی کسی عامل کے پاس جاؤں گی اور انہیں اس کے جادو کے بارے میں بتاؤں گی۔ عامل ہی اس کے جادو کا توڑ کر سکتے ہیں۔"

"مجھے بھی اپنا پروگرام تھوڑی دیر پہلے منسوخ کرنا پڑا ہے۔ میں امریکہ نہیں جا رہا ہوں' ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے' لگتا ہے کہ یہ سب کچھ اس جادوگرنی کی وجہ سے ہوا

ہے۔" کاشف نے کہا۔

"وہ جادوگرنی نہیں ہے۔" ثمرین کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گیا۔ "وہ ایک ماسی ہے' اس کا تعلق اچھے گھرانے سے رہا ہے۔ حالات نے اس کی ماں اور اسے ماسی بنا دیا ہو گا۔ وہ بڑی مہذب' شائستہ مزاج اور سنجیدہ سی لڑکی ہے۔ اس لئے اس کی شخصیت نے ابو کو متاثر کیا.......... رہا آپ کا مسئلہ اور روانگی کے پروگرام کی منسوخی اس کا اس غریب سے کیا تعلق؟"

"تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔" کاشف نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ "ایک ماسی ایسی نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے وہ ان کے کسی بہت ہی غریب دوست یا دفتر کے کسی پرانے ملازم کی بیٹی ہو۔"

"ایں .... تم دونوں بھی اس کا کلمہ پڑھنے لگے۔" بیگم رشیدہ بانو کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "تم لوگ کچھ بھی کہو وہ ایک ماسی ہے۔ اس کا لباس دیکھ کر ہی کراہت ہوتی تھی۔ وہ اپنی وضع قطع سے ماسی ہی لگ رہی تھی مجھے۔"

"یہ نئے زمانے کی ماسی ہے۔" ثمرین کہنے لگی۔ "جو ماسیاں اونچے اور تعلیم یافتہ گھروں میں کام کرتی ہیں ان گھروں سے وہ بہت ساری باتیں سیکھ لیتی ہیں۔ انہیں دنیا کے نشیب و فراز مہذب اور سلیقہ مند بنا دیتے ہیں۔"

"اس کمپیوٹر دور نے آدمی کو کہاں پہنچا دیا ہے ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ لڑکی خطرناک ہے۔ ابو نے اسے اس گھر میں لا کر اپنی زندگی کی فاش ترین غلطی کی ہے۔ اسے پہلی فرصت میں یہاں سے چلتا کر دینا چاہئے۔" کاشف نے کہا۔

"وہ کسی قیمت پر یہاں سے نہیں جائے گی۔ اسے ایسی زندگی اور ایسا گھر خواب میں بھی نصیب نہیں ہو گا۔" وہ بولیں۔

"آپ فکر نہ کریں امی!" کاشف نے انہیں دلاسا دیا۔ "ہم ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ وہ خود یہاں سے جانے پر مجبور ہو جائے گی۔ پھر اسے ابو بھی روک نہیں سکیں گے۔"

"تم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو۔" بیگم رشیدہ بانو نے کہا۔ "ہم لوگوں کی کیا مجال کہ

اسے گھر سے نکال دیں۔ بڑے صاحب اسے اپنی مرضی اور خوشی سے لائے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس لڑکی نے انہیں اپنے جادو کے زور سے غلام بنالیا ہے۔ اب وہ اس گھر میں ایک رانی کی طرح رہے گی۔ اس کا حکم چلے گا۔ وہ اسے نہ صرف ہر بات کی پوری آزادی دے دیں گے بلکہ الماری کی چابیاں بھی .... تم لوگ اپنے باپ کی ضد سے خوب واقف ہو۔ وہ ایک بار جو فیصلہ کر لیتے ہیں اس پر سختی سے قائم رہتے ہیں۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ جتنا جلد ہو سکے اس کے جادو کا توڑ کیا جا سکے۔"

"آپ سچ کہتی ہیں امی! گھر میں کس کی مجال ہے کہ ان کے کسی فیصلے یا بات کی مخالفت کر سکے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کسی کے علم میں لائے بغیر کسی بڑے اور پہنچے ہوئے عامل سے جتنا جلد ہو سکے رابطہ کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اس کا کوئی بھروسا نہیں ہے کہ گھر میں جو لاکھوں کی رقم اور زیورات موجود ہیں ان پر ہاتھ صاف کر دے۔"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ اب الماریاں مقفل رکھا کرو۔ اس کے ساتھ ساتھ پرس اور جیبوں کی بھی حفاظت ضروری ہے' چابیوں کو بھی سنبھال کر ایسی جگہ رکھنا کہ ان پر اس کی نظر نہ پڑ سکے۔" بیگم رشیدہ بانو نے کہا۔

"آپ کسی بات کی فکر نہ کریں امی جان!" ثمرین نے انہیں دلاسا دیا۔ "میں اس جادوگرنی کی جادوگری چلنے نہیں دوں گی۔ اس کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھوں گی۔ میں ہر وقت اس کے پیچھے سائے کی طرح لگی رہوں گی۔"

☆======☆======☆

رات کے کھانے کے بعد نازنین سنگیت کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ نازنین نے سونی بوا سے کہہ کر سنگیت کے لئے دوسرا کمرہ ٹھیک کرا دیا تھا۔ وہ کمرہ مہمانوں کے لئے مخصوص تھا اور بہت ہی شاندار اور خوبصورت انداز سے آراستہ و پیراستہ کیا ہوا تھا۔ رات دو بجے تک دونوں بستر میں لیٹی ہوئی باتیں کرتی رہی تھیں۔ سنگیت اپنی ماضی کی کتاب کا ایک ایک ورق پڑھ کر سناتی رہی تھی۔ ماسیوں کی زندگی کے بارے میں قدرے تفصیل سے بتایا کہ ان پر کیا گزرتی ہے۔ اسے اپنے ماموں کے ظلم و ستم کی کہانی بھی سنائی۔

نازنین نے اس کی کہانی بڑے غور اور توجہ سے سنی۔ اسے سنگیت کی بدنصیبی پر بڑا ترس آیا۔ سنگیت جتنی حسین تھی اتنی ہی بدقسمت بھی۔ نازنین نے دل میں سوچا۔ اس نادر کے آنے سے اس گھر کی اصل رونق بڑھ گئی ہے۔

☆======☆======☆

سنگیت سونے کے لئے اپنے کمرے میں آئی تو یہ سب کچھ اسے سندر سپنے کی طرح لگا۔ اس نے کبھی ایسا سپنا نہیں دیکھا تھا اور نہ ایسے سپنے کے بارے میں سوچا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ غریب جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے سپنے دیکھتے ہیں۔ بن دیکھے اسے سپنا مل گیا۔ حالات نے اسے ذرے سے آفتاب بنا دیا۔

اس کے لئے سب سے بڑی دولت نازنین کی محبت اور اس کے ابو کا خلوص اور بے غرضی تھی۔ ان دونوں کی گھنی چھاؤں اس کے لئے سب سے بڑی دولت تھی۔ اسے اپنے آپ پر رشک آنے لگا۔ اصل میں وہ بھوکی تھی ماں باپ' بھائی اور بہن کی محبت کی' اسے پیار کی پیاس تھی۔ اسے یہ سب کچھ مل گیا تھا' اسے مامتا کی ضرورت تھی۔ بیگم رشیدہ بانو کا رویہ نامناسب اور نفرت انگیز تھا لیکن اس کی اسے فکر نہ تھی کیونکہ اسے ایک ایسا جادو اور منتر آتا تھا جس سے وہ نفرت کو محبت میں بدل سکتی تھی۔ یہ جادو اسے اس کی ماں نے اپنی زندگی میں سکھا دیا تھا تاکہ کسی بھی افتاد پر وہ اس سے کام لے سکے۔

وہ جادو تھا زبان کی مٹھاس کا .... اس کی ماں اسے اکثر نصیحت کرتی تھی کہ زبان میں مٹھاس رکھنا۔ دنیا میں زبان کی مٹھاس سے بڑا جادو کوئی نہیں ہے۔ اخلاق سے بڑا منتر کوئی نہیں ہے۔ زبان کی مٹھاس اور اخلاق سے تم جسے چاہو اپنا غلام بنا سکتی ہو۔ کوئی تم سے لاکھ نفرت اور حقارت سے پیش آئے تم اس کی پرواہ نہ کرنا' نفرت کا جواب محبت سے دینا۔ پھر تم دیکھو گی کہ تمہارا راج دلوں پر قائم ہو گیا ہے۔

ایک بھائی کی صورت میں کاشف بھی تھا۔ کاشف کے مزاج اور اس کی سوچ کا اسے کوئی اندازہ نہ ہو سکا تھا۔ وہ اس سے کوئی بات کر سکی تھی اور نہ ہی کوئی موقع ملا تھا۔ تاہم کاشف کے چہرے پر نرمی اور مٹھاس سے وہ سمجھ گئی کہ وہ دل کے بہت اچھے ہیں۔ کاشف سے اس کی ملاقات کھانے کی میز پر ہوئی تھی۔

ثمرین بھابی پہلی ہی نظر میں اس کے من کو بھا گئی تھیں۔ اس نے ان کی آنکھوں میں خلوص و محبت کے جذبات دیکھے تھے۔ ان باتوں کے باوجود وہ' نازنین اور اس کے ابو کے سوا کسی اور کے دل میں جگہ نہیں بنا سکی تھی۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک نچلے طبقے سے تھا۔ وہ سب کی نظروں میں حقیر بن گئی تھی۔ حسد' جلن اور نفرت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آج پہلا دن تھا۔ وہ اس طوفان کے آگے سینہ سپر ہو گئی تھی۔ وہ حوصلہ ہارنے اور قدم پیچھے ہٹانے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس کی ماں نے اسے جو جادو اور منتر بتایا تھا اس سے ان لوگوں کی محبت اور اعتماد حاصل کر لے گی۔ وہ یہ سب کچھ سوچتے سوچتے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

جب وہ بیدار ہوئی تو ابھی سورج بھی نہیں نکلا تھا۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ جاڑے کی آمد آمد تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ رات وہ بہت دیر سے سوئی تھی۔ کیونکہ بہت ساری باتیں سوچتی رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد انگڑائی لے کر اٹھی اور بستر سے نکل کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ جاڑے کی صبح یوں بھی بہت حسین اور پیاری ہوتی ہے۔ ہلکے کہر کا جال توڑ کر سورج کی کرنیں سونا لٹا رہی ہوں تو یہ صبح اور بھی حسین معلوم ہوتی ہے۔ اس نے احاطے میں دیکھا۔ پگھلا سونا بہہ رہا تھا۔ ایسے میں سورج کی طرف منہ کر کے بید کے مونڈھے پر بیٹھے بیٹھے جو کام بھی کیا جائے بھلا معلوم ہوتا ہے۔

دروازے پر ہلکے اور مخصوص انداز میں دستک ہوئی۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ پھر کسی نے باہر سے اندر کی طرف دروازے کو دھکیلا۔ سونی بوا ہاتھ میں ایک ٹرے لئے داخل ہوئی۔ اس ٹرے میں بھاپ اڑاتی ہوئی چائے کی پیالی تھی۔ بوا نے اس کے پاس آ کر سلام کیا پھر بولی۔ "میں آپ کے لئے بیڈ ٹی لائی ہوں۔"

"بیڈ ٹی.........؟" وہ مسکرا دی۔ "میں نے کبھی نہار منہ چائے نہیں پی۔"

"نازنین بی بی نے مجھے صبح ہی کہہ دیا تھا کہ میں آپ کے لئے بیڈ ٹی لے کر جاؤں۔" سونی بوا نے بڑے ادب سے کہا۔

"تو پھر اسے میز پر رکھ دیں۔" سنگیت نے کہا۔ "کل سے میرے لئے بیڈ ٹی نہ

لانا۔"

"ساڑھے آٹھ بجے آپ ناشتہ کرنے کے لئے پہنچ جائیں۔ روزانہ اسی وقت ناشتہ لگ جاتا ہے۔" سونی بوا نے بتایا۔

جب وہ ساڑھے آٹھ بجے ناشتے کی میز پر پہنچی تو گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ اس کا انتظار ہو رہا تھا۔ محمد علی خوندکر کے برابر والی کرسی خالی تھی۔ وہ سب کو سلام کر کے اس خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"لگتا ہے کہ رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی ہے۔" انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی ہے' تمہارے چہرے پر خوابیدگی طاری ہے۔"

"نئی جگہ تھی اس لئے مجھے رات دیر سے نیند آئی۔ میں اور نازنین دو بجے تک باتیں بھی کرتی رہی تھیں۔" اس نے بتایا۔

ناشتے کی میز پر عمدہ قسم کے قیمے بھرے پراٹھے' پنیر اور آملیٹ بھی تھے۔ اس خوشگوار اور خنک موسم میں اسے ناشتہ لطف دے گیا۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ ناشتہ سبھی نے خاموشی سے کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد کاشف اپنے ابو کے ساتھ چلا گیا۔

یہ سنگیت کی نئی زندگی کی پہلی صبح تھی۔ اس نے ایک ایسی نئی اور نرالی دنیا میں قدم رکھا تھا جو سپنوں کی طرح تھی' وہ بہت خوش تھی۔ اس پر ایک عجیب سرشاری سی طاری تھی۔

نشست گاہ میں بیٹھ کر کافی پیتے ہوئے نازنین نے اس سے کہا۔ "باجی! ہم گیارہ بجے خریداری کے لئے بیت المکرم مارکیٹ جائیں گے۔"

"خریداری کے لئے.........؟" سنگیت کے چہرے پر حیرت سی چھا گئی۔ "کیا آپ کو اپنے لئے کچھ چیزیں خریدنی ہیں؟"

"یہ خریداری میرے لئے نہیں آپ کے لئے ہو گی۔ رات ہی ابو نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ میں شاپنگ کرا دوں۔ پھر انہوں نے مجھے ناشتے کی میز پر بھی یاددہانی کرائی تھی۔"

"میرے لئے کس چیز کی شاپنگ.........؟" اس کے حسین چہرے پر گہرا استعجاب چھا

گیا۔

"بہت ساری چیزوں کی شاپنگ کرنا ہے۔" نازنین کہنے لگی۔ "آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟ نہ سینڈل ہیں نہ ملبوسات، دستی گھڑی اور میک اپ کے لوازمات بھی نہیں ہیں۔"

"ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے پاس جو پرانے کپڑے ہیں، وہ مجھے دے دیں۔ میں انہیں اپنے استعمال میں لے آؤں گی۔ مجھے میک اپ کا سامان نہیں چاہئے۔ جانے کیوں مجھے میک اپ بالکل پسند نہیں ہے۔"

"میرے پاس نہ تو پرانے کپڑے ہیں نہ کوئی اور چیز.......... میک اپ کے لوازمات کی یوں بھی آپ کو کوئی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ آپ کا حسن و جمال اور سراپا بیوٹی سیلون اور سلمنگ پارلر کا محتاج نہیں ہے۔"

"آپ ہی میرے لئے ساری چیزیں خرید کر لے آئیں۔" سنگیت گھبرا سی گئی۔ اس کا چہرہ زرد سا پڑ گیا۔

وہ سنگیت کا زرد چہرہ دیکھ کر چونکی۔ "آپ میرے ساتھ چلنے سے کس لئے گھبرا رہی ہیں؟" نازنین بولی۔ "وہ بدمعاش تو سنگین حادثے کا شکار ہو گئے۔ ہسپتال میں ہوں گے یا ان کی تدفین ہونے والی ہو گی۔"

"میرا ماموں میری تلاش میں اپنے دوستوں کے ساتھ شاید ڈھاکہ پہنچ گیا ہو گا۔ شکاری کتوں کی طرح وہ مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ کس قدر خبیث فطرت کا، خودغرض اور لالچی ہے۔ وہ اس وقت تک چین و سکون سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ مجھے تلاش نہیں کر لیتا۔" سنگیت نے کہا۔

"اوہ یہ بات ہے۔" نازنین نے تشویش سے کہا۔ "مگر اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ آپ کو زبردستی ملکیت بنا کر رکھے۔ آپ اس کی زر خرید باندی نہیں ہیں، اپنی مرضی کی مالک ہیں۔"

"جس شخص سے وہ ہزاروں کی رقم لے کر میری شادی کر رہا تھا اس نے میرا یا رقم کی واپسی کا تقاضا کیا ہو گا۔ شاید اس میں سے اس نے کچھ رقم خرچ کر لی ہو گی۔ اس لئے

وہ میری تلاش میں آیا ہوا ہو گا۔" سنگیت نے خیال ظاہر کیا۔

"آپ کو ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" نازنین نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ "میں جو آپ کے ساتھ ہوں۔ اس کی کیا مجال کہ وہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔"

"میرا ماموں ایک جرائم پیشہ شخص ہے۔ اس کے ساتھی بے رحم اور ہر وقت مسلح رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی پولیس پشت پناہی کرتی ہے۔ وہ رہتا تو چٹاگانگ میں ہے لیکن اس کے تعلقات یہاں کی پولیس سے بھی ہیں۔ کیونکہ اس کا گروہ یہاں بھی کام کرتا ہے اور پولیس کو نذرانہ دیتا رہتا ہے۔"

"اوہ .... یہ بات ہے۔" نازنین سوچ میں پڑ گئی۔ چند ثانیوں کے بعد اس کا چہرہ دمک اٹھا اور آنکھیں چمکنے لگیں۔ "یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ آپ بہروپ بھر کر میرے ساتھ چلیں۔"

"بہروپ بھر کے..........؟" سنگیت نے سر ہلایا۔ "میں سمجھی نہیں۔"

"میں کالج کے ڈراموں میں مختلف قسم کے کردار ادا کرتی ہوں۔ میرے پاس مختلف بالوں کی وگیں ہیں۔ کنٹیکٹ لینس ہیں۔ آپ کوئی بھی بہروپ بھر سکتی ہیں۔ بوڑھی یا ادھیڑ عمر کی عورت کا۔"

تھوڑی دیر کے بعد سنگیت ایک چالیس برس کی عورت کے روپ میں تھی۔ اس کے سر کے کالے بالوں میں سفید بالوں کی بھرمار تھی۔ کنٹیکٹ لینس نے اس کی آنکھوں کو بدل دیا تھا۔ ایک پرانی سفید ساڑھی میں وہ بوڑھی ملازمہ کی طرح لگ رہی تھی۔ ہیئر سٹائل بدلنے سے وہ بالکل بھی پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ نازنین کے ساتھ ٹویوٹا کراؤن میں بازار جا رہی تھی۔ نازنین گاڑی چلا رہی تھی۔ یہ گاڑی اس کی اپنی تھی۔ اس کے ذاتی استعمال میں رہتی تھی۔ اس نے نازنین کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ یہ لڑکی نہیں ایک آبشار ہے جس کے ٹھنڈے میٹھے انداز نے اس کے وجود کو بھگو دیا تھا۔ ناشتے کی میز پر صرف وہی اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ بیگم رشیدہ بانو کا منہ بنا ہوا تھا۔ کاشف اور ثمرین کے چہرے ہر قسم کے جذبات

سے عاری تھے۔ نازنین ناشتے کی میز پر اس سے جس طرح پیش آئی تھی اس نے اس کا دل خوش کر دیا تھا۔ اب وہ اسے شاپنگ کے لئے بازار لے جا رہی تھی۔

چند لمحوں کے بعد نازنین اس سے بولی۔ "باجی! آپ سے ایک بات کہوں؟ آپ انکار تو نہیں کریں گی؟"

"آپ اجازت کیوں لے رہی ہیں۔ آپ حکم دیں' میری کیا مجال کہ میں آپ کی کسی بات سے انکار کروں۔"

"اب آپ مجھے .... آپ کہہ کر نہیں بلکہ تم کہہ کر مخاطب کریں گی۔" نازنین نے کہا۔

"میں اتنی بڑی گستاخی اور بے ادبی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی' اس کے لئے مجھے معاف رکھیں۔"

"اس میں بے ادبی والی کیا بات ہے۔" نازنین نے سڑک پر سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ "آپ مجھ سے عمر میں بڑی ہیں۔ سگی بہن سے زیادہ عزیز ہیں۔ جب آپ مجھے آپ کہہ کر مخاطب کرتی ہیں تو اجنبیت اور بیگانگی کا احساس ہوتا ہے۔ میری باجی اور آپا جو باہر ہیں وہ مجھے تم کہا کرتی تھیں۔ آپ بھی مجھے تم کہہ کر بلائیں گی تو پھر مجھے ایسا محسوس ہو گا کہ آپ نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ پھر ان کی کمی محسوس نہ ہو گی۔"

"یہ بات ہے۔" سنگیت مسکرا دی۔ "آپ یہ چاہتی ہیں تو میں آج ابھی اور اسی وقت آپ .... اوہ نہیں تم کہوں گی اور آپ کو..........." پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

سنگیت کے لئے بہت ساری باتیں حیرانی کی تھیں۔ بنگلہ دیش کی تہذیب کی اقدار بہت تیزی سے بدل گئی تھیں اور بدلتی جا رہی تھیں۔ مغرب کی تہذیب کی گہری چھاپ عورتوں اور ہر عمر کی جوان لڑکیوں میں دکھائی دیتی تھی۔ نہ صرف سوچ بلکہ لباس اور ماحول میں فرق اور تبدیلی آ گئی تھی۔ عریانی' بے باکی اور آزاد خیالی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں کبھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس نے کتنے ہی گھروں کا ماحول دیکھا تھا۔ مشرقیت کی تہذیب دم توڑتی اور سسکتی نظر آئی تھی لیکن نازنین کے گھر میں پرانی

تہذیب کا عکس دیکھ کر وہ سخت متعجب ہوئی تھی۔ دولت کی فراوانی کے باوجود گھر کا ماحول بہت اچھا تھا۔ ان لوگوں میں بڑی سادگی تھی۔ غرور اور تکبر نہ تھا لیکن ان کی بہن اور بھائیوں کے گھروں کی لڑکیوں اور لڑکوں سے اس نے محسوس کیا تھا وہ مغربی تہذیب کے راستے پر پوری آزادی سے اور اندھا دھند چل رہی ہیں۔

نازنین نے اس کے لئے جو خریداری کی اس پر ہزاروں کی رقم پانی کی طرح بہا دی۔ اونی سویٹر' کشمیری شالیں' دس بارہ جوڑی سینڈل اور چپلیں' بارہ عدد ساڑھیاں بلاؤز اور اتنے ہی شلوار قمیض ریڈی میڈ سوٹ جو کراچی کی ایک بوتیک کے تھے۔ چار عدد پارٹی ڈریس .... اس کے علاوہ ضرورت کی اور بھی بہت ساری چیزیں۔

اس خریداری میں چار گھنٹے بیت گئے۔ لنچ کے لئے وہ سنگیت کو ایک چائینز ریسٹورنٹ میں لے گئی۔ سنگیت کے لئے چائینز کھانے نئے نہیں تھے۔ کیونکہ جن گھروں میں وہ ملازمت کرتی تھی وہاں اسے کھانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ انہیں پسند کرتی تھی۔ اس لئے اس نے بڑی رغبت سے کھایا۔ کسی ہوٹل میں جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ جس وقت وہ دونوں سامان سے لدی پھندی گھر پہنچیں تو اس وقت شام کے چار بج چکے تھے۔

وسیع و عریض سبزہ زار کے آخری سرے پر بیڈ منٹن کورٹ بنا ہوا تھا۔ نازنین کی رشتہ دار بہنیں وہاں بیڈ منٹن کھیل رہی تھیں۔ کچھ لان میں کرسیوں پر براجمان کھیل دیکھ رہی تھیں۔ لڑکے بھی ایک بید کی چھوٹی گول میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے گپ شپ کر رہے تھے۔ چھوٹے بچے کھلونا پستولوں سے کھیلنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے سنگیت اور نازنین کو دیکھا تو کھیل روک دیا۔ سنگیت نے واپسی میں بالوں کی وگ اتار دی تھی۔ کنٹیکٹ لینس بھی نکال دیئے تھے اس لئے اسے الجھن ہو رہی تھی۔ بال بھی کھول دیئے اور پشت پر لہرا دیئے تھے۔

نازنین نے گاڑی سے اترنے سے پہلے سنگیت سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کی طرف بالکل نہ دیکھے۔ نازنین نے دربان کو بلا کر بہت سارا سامان اس کے حوالے کیا۔ باقی سامان دونوں نے اٹھا لیا اور برآمدے کی جانب بڑی بے نیازی اور بے پروائی سے باتیں کرتی ہوئی بڑھ گئیں۔

عالیہ نے کھیل روک کر اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے کہ نازنین ہزاروں کی رقم کا سامان خرید کر لائی ہے؟"

"جانتی ہو یہ جہیز کس کے لئے آیا ہے؟" نجم النہار نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ "یہ اس دو ٹکے کی ماسی کے لئے۔"

"امی کہہ رہی تھیں کہ یہ جادوگرنی ہے جو ماسی کے روپ میں آئی ہے۔ یہ جادوگرنی نہ ہوتی تو تایا ابو اسے گھر نہ لاتے۔ اس نے جادو کے زور سے انہیں اپنا تابع بنا لیا.......... نازنین کو بھی۔ نازنین اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن گئی ہے۔"

"میں تم لوگوں سے ایک راز کی بات کہہ رہی ہوں۔ کسی سے کہنا نہیں۔ صبح تائی اماں میری امی کے پاس آئیں کہ وہ کسی عامل کو جانتی ہیں۔ وہ انہیں ایک پہنچے ہوئے عامل کے پاس لے گئی ہیں۔ وہ کالا جادو جانتے ہیں' تعویذ گنڈے کے ماہر ہیں۔" عالیہ نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

ظفر جو قریب ہی کھڑا تھا اس نے عالیہ کی بات سن لی اور ان کے قریب آ کر کہا۔ "بنگال میں اب جادوگر کہاں رہے ہیں۔ جو ہیں وہ فراڈی اور چکرباز ہیں۔ ان تعویذ گنڈوں میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ ساری فضول چیزیں ہیں۔ مجھے ان پر اعتقاد نہیں ہے۔"

"میری امی کو بڑا تجربہ ہے۔" عالیہ نے ظفر سے تکرار کی۔ "انہوں نے کچھ عورتوں کو تعویذ لے کر دیئے تو بہت فائدہ ہوا تھا۔"

"نیلم!" نجم النہار نے کہا۔ "تم نے اپنے ڈیڈی سے نازنین کی بدتمیزی کی شکایت کی تھی؟ تمہارے ڈیڈی نے کیا کہا؟"

"انہیں بہت غصہ آیا.......... ڈیڈی نے کہا کہ وہ کسی دن تایا اور تائی سے بات کریں گے اور نازنین کی خبر لیں گے۔"

"ابو نے صبح ایک بڑی زبردست خبر سنائی ہے۔" چمپا بولی۔ "تایا ابو نے میرے ابو سے صبح دفتر جاتے وقت کہا کہ نئے ماڈل کی ہنڈا سوک کہیں ہے تو بتائیں۔ ابو نے پوچھا۔ کس کے لئے' وہ بولے گھر کے ایک فرد کے لئے۔"

"اس ماسی کے علاوہ کس کے لئے ہو سکتی ہے؟" نیلم نے حقارت سے کہا۔ "اس

کے قدم رکھتے ہی بڑی ناز برداریاں ہو رہی ہیں' اس پر رقم لٹانے سے بہتر ہے کہ کسی یتیم خانے کو دے دیں' ثواب تو ملے گا۔"

"مجھے تو دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔" نجم النہار نے سرگوشی میں معنی خیز لہجے میں کہا۔ "شاید انہوں نے کسی عورت سے چوری چھپے شادی کر لی ہو یہ اس کی بیٹی ہو۔ وہ اسے حیلے بہانے سے یہاں لے آئے ہیں۔"

"تایا ابو ایسے آدمی نہیں ہیں کہ ان پر شک کیا جا سکے۔ وہ صاف ستھرے کردار کے مالک ہیں۔ بالفرض محال انہیں دوسری شادی کرنا ہو تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر کر سکتے ہیں۔ شمیم آپا بتا رہی تھیں کہ انہوں نے سنگیت کو بیت المکرم پر دو دن پہلے دیکھا تھا۔ اس کے بے مثل حسن و جمال نے انہیں اور ان کی سہیلیوں کو چونکا دیا تھا۔ اس طرح تایا ابو بھی متاثر ہوئے اور اسے اپنی مہم جو طبیعت کے باعث اسے یہاں لے آئے۔ تایا ابو کی زندگی مثالی اور آئینے کی طرح شفاف ہے۔ ہمیں ان پر انگلی اٹھانا نہیں چاہئے۔" زرنگار نے کہا۔

"یہ نالی کا کیڑا اب اتنی حسین بھی نہیں ہے کہ کوئی اس کی ذات سے متاثر ہو جائے۔" نیلم سنگیت کی تعریفیں سن کر اندر ہی اندر بری طرح جل گئی تھی۔ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ وہ زرنگار سے بولی۔ "یہ بات تمہاری آپا نے مذاق میں کہی ہو گی.........."

"سنگیت کے حسن و شباب کی تعریف نہ کرنا .... ناانصافی ہو گی۔" زرنگار نے سنگیت کی جیسے حمایت کی۔ "کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہمارے خاندان کے لڑکوں نے اسے جب سے دیکھا ان کے دلوں نے دھڑکنا بند کر دیا ہے۔"

"یہ تم اپنے دل سے کہہ رہی ہو۔" نیلم نے تیز لہجے میں کہا۔ "خاندان کے لڑکے اتنے گرے پڑے نہیں ہیں کہ ایک ماسی پر فدا ہو جائیں۔ کوئی بھی اسے بہو یا بھابی بنانا پسند نہیں کرے گا۔ ایسی لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔"

"دور کیوں جاتی ہو' اپنے بھائی جان کو لے لو۔" زرنگار نے مسکراتے ہوئے اس پر چوٹ کی۔ "رات آپ کے بھائی جان میری امی کے پاس آئے تھے اور ان کے آگے ہاتھ پیر جوڑے کہ وہ تایا ابو سے بات کریں اور میری امی اور ابو سے بات کر کے سنگیت سے شادی کرنے پر رضامند کر لیں۔ کیا اس بات سے ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ آپ کے بھائی

جان نے اپنا دل نذرانے کے طور پر ایک حقیر ملازمہ کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔"

"میں اس بات کو نہیں مانتی۔" نیلم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ برہمی سے بولی۔ "یہ تم سراسر جھوٹ بول رہی ہو۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ایک گریجویٹ اور سلجھا ہوا شخص ایک پنچ اور گھٹیا اور کمتر درجے کی لڑکی کو اپنی بیوی بنائے۔ میرے بھائی جان اتنے ستے نہیں ہیں۔"

"عورت کے حسن میں ایسا جادو ہے کہ اس کے دربار میں بڑے بڑے رستم اور اچھے اچھے سورماؤں اور بادشاہوں کے سر جھک گئے۔ کیا تم نے تاریخ نہیں پڑھی؟ تمہارے بھائی جان کیا بیچتے ہیں .... تمہیں میری بلت کا یقین نہیں آیا ہے تو تم اپنے بھائی جان سے پوچھ لینا۔ میری بات جھوٹی نکلے تو جو چور کی سزا وہ میری۔"

"سزا کے طور پر تم ہم سب کو لے کر ستار گاؤں شیرٹن چلو گی۔" عالیہ نے زرنگار سے کہا۔ "ہم معمولی جرمانے کے قائل نہیں ہیں' منظور ہے؟ صرف دس بارہ ہزار خرچ ہوں گے۔"

"منظور ہے۔" زرنگار نے عالیہ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ "یہ جرمانہ یکطرفہ نہیں ہو گا' منظور ہے؟"

"مجھے منظور ہے۔" نیلم خار کھاتی ہوئی بولی۔ "میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں آج ہی بھائی جان سے پوچھے لیتی ہوں۔"

☆======☆======☆

رات کے کھانے کے بعد سب نشست گاہ میں آ بیٹھے۔ محمد علی خوندکر نے سنگیت کو پاس بلا کر بٹھایا تو بیگم رشیدہ بانو کو بڑا ناگوار لگا۔ انہوں نے سنگیت کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "میری بیٹی کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے .... کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف اور بلا جھجک بتا دینا۔"

"نہیں .... مجھے یہاں نہ تو کوئی تکلیف ہے نہ ہی کسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں آپ کا احسان ساری زندگی نہیں بھول سکتی کہ آپ نے ایک ذرے کو آفتاب بنا دیا۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر ممنونیت سے بولی۔

"احسان..........؟" وہ ہنس پڑے۔ "میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ کوئی کسی کے کام آتا ہے تو وہ اس پر احسان نہیں کرتا ہے بلکہ اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ اللہ کسی انسان کی معرفت اس سے اچھے کام لیتا ہے۔ ہر اس شخص کو اپنا دل کھلا رکھنا چاہئے کہ جسے قدرت نے نوازا ہو۔ میں چونکہ تمہارے کام آ سکتا تھا اس لئے میں تمہیں اپنے ہاں لے آیا۔"

"آپ کچھ بھی کہیں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ایک عظیم اور بے حد مخلص انسان ہیں۔ آپ نے مجھے بیٹی بنا کر جو شرف عطا کیا ہے اس کا اجر تو آپ کو اللہ ہی دے گا۔ میں آخری سانس تک دعائیں آپ کو دیتی رہوں گی۔"

"میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کہنے لگے۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم تعلیم حاصل کرو۔ ایک سال تک گھر پر ٹیوشن پڑھنے کے بعد تم بورڈ سے میٹرک کا امتحان دے دینا۔ سعید کبیر میری پوتی اور پوتے کو شام کے وقت آ کر پڑھاتے ہیں۔ وہ کل سے تمہیں پڑھا دیا کریں گے۔ میں ان سے کہہ دوں گا۔"

"مجھے پڑھنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔" سنگیت نے جواب دیا۔ "میں دل لگا کر پڑھوں گی۔ آپ کو شکایت نہ ہو گی۔"

"اس کے علاوہ تم کل سے گاڑی چلانا بھی سیکھو گی۔ نازنین تمہیں گاڑی چلانا سکھائے گی۔" وہ بولے۔

"گاڑی..........؟" سنگیت نے پہلے ان کی شکل دیکھی پھر نازنین کی طرف حیرت سے دیکھ کر بولی۔ "میں گاڑی چلانا سیکھ کر کیا کروں گی..........؟"

"کسی چیز کو سیکھنے میں نقصان کوئی نہیں ہوتا۔ ڈرائیونگ کسی دن تمہارے کام آئے گی۔" وہ بولے۔

"جب بھی تمہیں کسی چیز یا رقم کی ضرورت ہو تو اپنی امی سے مانگ لینا۔" انہوں نے سنگیت کو خاموش پا کر کہا۔ پھر وہ اپنی بیگم کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر اونچی آواز میں بولے۔ "آپ سن رہی ہیں خاتون اول..........! ہماری سنگیت بیٹی کو بھی آپ شادی بیاہ اور دعوتوں میں لے جائیں گی۔ کوئی سنگیت کے بارے میں پوچھے تو فخر سے بتانا کہ یہ ہماری بیٹی

سنگیت ہے۔ نازنین کی بڑی بہن ہے۔ سن لیا آپ نے..........؟"

"جی اچھا.......... سن لیا۔" وہ چڑ کر بولیں تو سبھی ہنسنے لگے۔ "آپ کا شاہی فرمان سر آنکھوں پر.......... کوئی اور آرڈر؟"

نشست گاہ سے کمرے میں آنے کے بعد سنگیت نے نازنین سے پوچھا۔ "یہ سعید کبیر کون ہیں جو مجھے ٹیوشن پڑھائیں گے؟"

"سعید کبیر صاحب ابو کے دیرینہ دوست کے لڑکے ہیں۔" نازنین اسے بتانے لگی۔ "علمی آدمی ہیں۔ بڑی خوددار طبیعت پائی ہے۔ ان کے والدین سلہٹ میں رہتے ہیں۔ وہ اپنی تعلیم کے سلسلے میں یہاں مقیم ہیں۔ ابو نے انہیں سرونٹ کوارٹر دے دیا ہے۔ اس میں ان کی رہائش ہے۔ وہ ٹیوشن سے اپنے تمام اخراجات پورے کرتے ہیں۔ بھابی کے بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ وہ فیس اس لئے نہیں لیتے کہ ابو نے طعام و قیام کی سہولت دے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے ہیں مگر انہوں نے کبھی ان مراعات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی اور پھر انہیں کوئی لفٹ بھی نہیں دیتا ہے۔ سوائے ابو اور کاشف بھیا کے.......... وہ خود بھی سب سے الگ تھلگ اپنے کمرے اور کتابوں میں غرق رہتے ہیں، سبھی انہیں سر کہتے ہیں۔"

"ٹیوٹر صاحب مزاج کے کیسے ہیں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ سختی سے پیش تو نہیں آتے؟"

"ہیں تو عجیب و غریب اور تند مزاج کے بڑے سخت قسم کے شخص واقع ہوئے ہیں۔ پڑھانے میں بڑے ماہر ہیں اور بہت ہی قابل بھی ہیں۔" نازنین نے بتایا۔

"مجھے ایسے شخص سے پڑھنا پڑے گا؟" سنگیت احمقوں کی طرح ہکلائی۔ "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے پڑھا دیا کرو۔ ان کی تعریف سن کر مجھے ابھی سے ان سے خوف آنے لگا ہے۔"

"ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" نازنین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "ویسے وہ بہت اچھے آدمی ہیں باجی! ہم انہیں کبیر بھائی جان کہتے ہیں۔ صرف ایک ابو اور امی، بھائی جان اور بھابی تو ان کی بہت عزت اور قدر کرتے ہیں۔ کبیر بھائی جان نے ہم سب کا دل موہ لیا

ہے۔ مگر خاندان کے دوسرے لوگ انہیں اس لئے نہیں چاہتے کہ وہ ایک غریب آدمی ہیں۔"

"میں نے انہیں کل اور آج یہاں دیکھا نہیں..........؟" سنگیت بولی۔

"کل وہ بچوں کو پڑھا کر جا چکے تھے۔ آج وہ آئے تو ہم دونوں کمرے میں تھیں۔"

☆======☆======☆

صبح ناشتے کے بعد نازنین کالج چلی گئی۔ محمد علی خوند کر بھی دفتر چلے گئے۔ دونوں بچے بھی اسکول جا چکے تھے۔ وہ ناشتہ نازنین کے ساتھ کر چکی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے بوا کمرے میں اسے چائے دے گئی تھی۔ چائے پینے کے بعد وہ خالی کپ لے کر باورچی خانے میں پہنچ گئی۔ بوا سبزی لانے بازار گئی ہوئی تھی۔ ثمرین بھابی باورچی خانے میں اپنے لئے چائے بنا رہی تھیں۔ اس نے ثمرین بھابی کو آداب کیا تو وہ بولی۔ "آؤ سنگیت! کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟" ثمرین کے لہجے میں بڑی نرمی اور محبت تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کھانا پکانا سکھا دیں۔" سنگیت نے کہا۔

"کیا تمہیں کھانا پکانا نہیں آتا ہے؟" ثمرین نے حیرت سے کہا۔

"کھانا پکانے کیسے آ سکتا ہے؟" سنگیت بولی۔ "بات یہ ہے بھابی! ہم جن گھروں میں کام کرتی تھیں وہ بہت بڑے تھے۔ وہاں سے روزانہ اتنا بچا ہوا کھانا مل جاتا تھا کہ گھر میں چولہا جلانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ صرف کھانا گرم کر لیا کرتی تھیں۔ اس لئے میں کھانا پکانا سیکھ نہ سکی۔"

"تمہیں کھانا پکانا سیکھنے کا شوق ہے یا تم وقت گزاری کے لئے سیکھنا چاہتی ہو؟"

"میں ایک عورت ہونے کے ناطے کھانا پکانا سیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کے بغیر مجھے یوں لگتا ہے جیسے مجھ میں بہت بڑی کمی ہے۔ جب میں جوان ہوئی تھی تب سے مجھے اس کا شوق نہیں جنون تھا۔ جن گھروں میں ہم ماں بیٹی کام کرتی تھیں وہاں خانساماں کام کرتے تھے یعنی کھانا پکاتے تھے۔ ہم سے چائے تک بنوائی نہیں جاتی تھی۔" سنگیت نے بتایا۔

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ ایک عورت ہونے کے ناطے کھانا پکانا آنا چاہئے جبکہ ہمارے خاندان کی بلکہ آج کی لڑکیاں باورچی خانے سے

دور اور وحشت زدہ ہوتی جا رہی ہیں۔ انہیں چائے تک ڈھنگ سے بنانا نہیں آتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات بڑے فخر کی ہے کہ وہ کھانا پکانا اور چائے تک بنانا نہیں جانتی ہیں لیکن تمہیں اس کا شوق ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"میں اپنے شوق کی وجہ سے بہت جلد کھانا پکانا سیکھ لوں گی۔" سنگیت نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"تم نازنین سے بھی کھانا پکانا سیکھ سکتی ہو۔ وہ بہت ساری ڈشیں تیار کرنا جانتی ہے اور ماہر بھی ہے۔"

"نازنین نے بھی مجھے سکھانے کا وعدہ کیا ہے۔" سنگیت بولی۔ "لیکن اس نے آپ کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس نے غلط بھی نہیں کہا۔ کل مجھے آپ کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے لذیذ ذائقہ دار کھانے نہیں کھائے۔ آپ کے ہاتھ میں واقعی جادو ہے مجھے شاگرد بنا لیں۔"

"صرف کھانا پکانا سیکھنا چاہتی ہو یا دوسرے کام کاج بھی؟" ثمرین نے پوچھا۔

"میں آپ سے ہر وہ کام سیکھنا چاہتی ہوں جو ایک عورت کے لئے ضروری ہے۔ جس سے اس کی عزت ہوتی ہو اور اس سے اس کی شناخت ہوتی ہو۔" سنگیت نے کہا۔

"مثلاً............؟" ثمرین مسکرائی۔

"سینا پرونا نہیں آتا ہے لیکن جھاڑو برتن' گھر کی صفائی اور کپڑے دھو لیتی ہوں۔ استری کرنا اور جوتوں پر پالش کرنا نہیں آتا ہے۔"

"ویری گڈ............" ثمرین کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ پھر اسے گلے لگا کر اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر وہ بولی۔ "مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم اتنی اچھی لڑکی نکلو گی اور صحیح معنوں میں ایک اچھی عورت بننے کی خواہش دل میں لئے ہوئے ہو۔ تمہارے بارے میں میرے جو خدشات اور اندازے تھے وہ بے بنیاد نکلے۔ میں یہ سمجھی تھی کہ تم یہاں اپنا ماضی اور اپنا وقت بھول کر ابو کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ گی۔"

"میں کوشش کروں گی کہ اللہ نے میری جو کایا پلٹ کی ہے اس کی ہر لمحہ شکر گزار رہوں۔ ابو کی توقعات پر پوری اتروں اور اپنے آپ کو ہر طرح اہل ثابت کروں۔ قدرت

نے مجھے جو ایک سنہرا موقع' زندگی اور مستقبل بنانے کا دیا ہے اس سے استفادہ کروں۔"

"سچ پوچھو تو تم اپنی باتوں اور خیالات کے لحاظ سے بالکل ایک ماسی معلوم نہیں ہوتی ہو۔ تم سے باتیں کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس بھیس میں کوئی شہزادی چھپی ہوئی ہے۔ تم کسی اچھے اور اعلیٰ گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ مجھے ایک انگریزی فلم یاد آ رہی ہے جس میں ایک شہزادی ایک عام لڑکی کے بھیس میں روم کی سیر کرنے نکل جاتی ہے۔"

"میں نے نازنین کو اور ابو کو بتایا ہوا ہے کہ ماں کی موت کے بعد میں نے دو برس ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں ملازمت کی۔ اس گھرانے نے میری ہر طرح سے تربیت کی۔ بیگم صاحبہ اور ان کی لڑکیوں نے نہ صرف تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا بلکہ اور بھی بہت کچھ سکھایا۔ میرا خبیث ماموں مجھے وہاں کی ملازمت سے نہ نکالتا اور مجھے ایک عیاش آدمی کے ہاتھ بیچنے کی کوشش نہ کرتا تو میں وہاں اور بہت کچھ سیکھ لیتی۔"

"اب تم اپنا ماضی اور اپنے خبیث ماموں کو بھول جاؤ۔ میں تمہیں کندن بنا کر رکھ دوں گی۔"

"نازنین آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔" سنگیت کہنے لگی۔ "ان کا کہنا ہے کہ آپ جتنی سلیقہ مند' سگھڑ اور نیک سیرت ہیں شاید ہی کوئی اور عورت آپ جیسی ہو۔ ہر بات میں اور ہر لحاظ سے آپ نمبرون ہیں۔ نازنین کی بڑی آرزو ہے کہ وہ بھی آپ جیسی بن جائے۔ میرے دل میں بھی آپ کی طرح بننے کی خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ اس لئے میں آپ کی شاگرد بننا چاہتی ہوں۔"

"میں تعریف و توصیف نہیں بلکہ کام پسند کرتی ہوں۔" ثمرین نے اس کا رخسار پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم یہ چائے لے جا کر امی جان کو دے آؤ۔"

"واپسی میں دیر ہو جائے تو کوئی بات تو نہیں............؟" سنگیت نے پوچھا۔

"کیا امی جان کے پاس کچھ دیر بیٹھو گی؟" ثمرین نے کہا۔

"جی ہاں۔" سنگیت نے سر ہلایا۔ "امی جان میرے آنے سے خوش نہیں ہیں۔ میں چاہتی ہوں ان کے پاس کچھ دیر بیٹھوں ان کے دل میں میرے خلاف جو غلط فہمی اور

کدورت ہے اسے دور کر دوں۔"

کچھ دیر کے بعد سنگیت امی جان کے کمرے میں چائے لے کر پہنچی تو وہ بالوں میں تیل لگانے اور کنگھی کرنے کے خیال سے اپنی چوٹی کھول رہی تھیں۔ انہوں نے سنگیت کو چائے لے کر آتے دیکھا تو وہ چونک پڑیں۔ اس نے سلام کیا تو وہ ناگواری سے سلام کا جواب دے کر بولیں۔ "سونی بوا کہاں مر گئی؟"

"وہ سودا سلف لانے بازار گئی ہوئی ہے۔" اس نے چائے کی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ ان کے پاس جا کر بولی۔ "امی جان! لایئے میں تیل لگا دوں اور کنگھی بھی کر دوں۔"

"کیا............؟" وہ اس کی بات سن کر بڑے زور سے چونکیں۔ انہوں نے دل میں خوفزدہ ہو کر سوچا۔ یہ اس بہانے ان پر اپنا جادو کرنا چاہتی ہے۔ منتر پڑھ کر پھونکنا چاہتی ہے وہ خوفزدہ سی ہو کر بولیں۔ "کوئی ضرورت نہیں' میں خود چوٹی کر لوں گی۔"

"آپ دیکھئے تو سہی امی! میں کتنی اچھی چوٹی ڈالتی ہوں۔" سنگیت نے ان کی پشت پر جا کر ان کے ہاتھ سے چوٹی لے کر کھول دی وہ نہ نہ کرتی رہ گئیں' چوٹی پوری طرح کھولنے کے بعد پھر تیل کی شیشی اٹھالی' تیل اپنی ہتھیلی پر ڈال کر اسے ان کے سر پر ڈال دیا پھر وہ ان کے بالوں میں مالش کرنے لگی۔

بیس منٹ گزر گئے۔ سنگیت واپس نہیں آئی تو ثمرین کو تشویش ہونے لگی کہ کہیں اس کی ساس نے سنگیت کی خبر لینا تو شروع نہیں کر دی کیونکہ اس کی ساس کے لئے سنگیت کا وجود ناقابل برداشت تھا۔ ان کے دل میں سنگیت کے خلاف سخت نفرت بیٹھ گئی تھی۔ ان کا بس چلتا تو وہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیتیں اور پھر نازنین کا ہزاروں ٹاکا کی شاپنگ کرا کے لانا اور اسے رہنے کے لئے بہت ہی شاندار کمرہ دے دینا جلتی پر تیل کی دھار بن کر گرا تھا۔ اس کے سسر کو سنگیت سے جتنی محبت تھی اس سے کہیں شدید نفرت انہیں سنگیت سے تھی۔ ان کے دل میں سنگیت کے لئے زہر بھر گیا تھا۔

وہ کل اپنی دیورانی کو لے کر ایک عامل کے پاس بھی گئی تھیں عامل نے انہیں تین

ہزار ٹاکا لے کر تین پڑیاں سفوف کی دی تھیں کہ وہ اسے سنگیت کی چائے میں گھول کر پلا دیں۔ اس کا جادو نہ صرف بے اثر ہو جائے گا بلکہ وہ یہ گھر چھوڑ کر چلی جائے گی۔ مزید دو ہزار ٹاکا لے کر سفوف کی دو پڑیاں اور دی تھیں کہ شوہر اور بیٹی کی چائے میں ملا دی جائے۔ سنگیت نے ان پر جو جادو کیا ہے وہ بھی بے اثر ہو جائے گا۔ یہ پڑیاں انہوں نے اسے دی تھیں اور اس کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ ان تینوں کو چائے میں گھول کر پلا دے وہ چونکہ جادو ٹونے اور ان عاملوں کی قائل نہیں تھی اس لئے اس نے ان پڑیوں کو ایک کونے میں رکھ کر چھوڑ دیا۔

ثمرین کے دل میں تجسّس کی لہر آئی اس نے دل میں سوچا دیکھو تو سہی اس کی ساس اور سنگیت میں کس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے اگر ان کے درمیان کوئی تلخی پیدا ہو گئی ہے تو وہ اسے ختم کرا دے گی۔ ویسے اس بات کا امکان نہیں تھا کہ سنگیت اس کی ساس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئے اور زبان درازی کرے اس نے ایک دو دن میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ سنگیت بردبار' ذہین' سمجھدار اور بہت اچھی لڑکی ہے۔ نرم خو بھی ہے اس کے سسر اس مرتبہ یہ جو نادر لے کر آئے ہیں بڑا انوکھا اور عجیب و غریب قسم کا ہے۔

ثمرین نے دروازے کے پاس جا کر اندر جھانکا تو اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا وہ بیگم رشیدہ بانو کے بالوں میں تیل ڈالنے کے بعد بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے ان کے لمبے سیاہ بالوں کی تعریف بھی کرتی جا رہی تھی۔ بیگم رشیدہ بانو کا چہرہ دمک رہا اور ان کی آنکھوں سے سنگیت کے لئے محبت جھانک رہی تھی۔ ثمرین کے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی کیونکہ اس کی ساس بپھری ہوئی شیرنی کی طرح تھیں اس کے علاوہ ایک سخت گیر اور تند مزاج کی عورت تھیں۔ وہ خود بھی ان سے بہت ڈرتی تھی حالانکہ وہ رشتے میں اس کی سگی پھوپھی تھی۔ سنگیت نے کچھ دیر ہی میں انہیں قابو میں کر لیا تھا۔ اس نے سنگیت کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے سوچا' واقعی سنگیت جادوگرنی ہی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد سنگیت چائے کی خالی پیالی لے کر بیگم رشیدہ بانو کے کمرے سے نکلی وہ باورچی خانے کی طرف جانے کے بجائے نشست گاہ کی طرف بڑھ گئی اس نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ ثمرین باورچی خانے میں تھی۔ بیگم رشیدہ بانو

اپنے کمرے میں اور بوا سودا سلف لانے بازار گئی ہوئی تھی۔ اس نے ٹیلی فون کے پاس پہنچ کر پیالی میز پر رکھ دی پھر اس نے ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا وہ سرگوشی میں آہستگی سے باتیں کرتی رہی جب اس نے قدموں کی چاپ سنی تو فوراً ہی ریسیور رکھ دیا۔ ثمرین کسی کام سے آئی تھی اس نے سنگیت کو ریسیور رکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"تم کسے ٹیلی فون کر رہی تھیں..........؟" ثمرین نے حیرت سے دریافت کیا۔

"کسی کو نہیں۔" سنگیت نے جواب دیا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ریسیور اٹھا لیا دوسری طرف کوئی مرد تھا اس نے میری آواز سنتے ہی کہا کہ تمہاری آواز کتنی سندر ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟ ٹیلی فون نمبر کیا ہے تو میں نے ریسیور رکھ دیا۔"

"اس قسم کے ٹیلی فون آتے رہتے ہیں ان اوباشوں کو کوئی اور کام نہیں ہوتا ہے۔" ثمرین نے غصے سے کہا۔

☆======☆======☆

نازنین آج کالج سے جلدی آ گئی تھی اس وقت دن کے بارہ بج رہے تھے اس نے سنگیت کے کمرے میں جا کر جھانکا تو وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی بوا کسی کام سے گزری تو اس نے بوا سے پوچھا۔ "سنگیت باجی کہاں ہیں؟"

"باورچی خانے میں ہیں۔" بوا نے جواب دیا۔ "آپ کے لئے چائے لاؤں یا کولڈ ڈرنکس۔"

"نہیں۔" نازنین نے کتابیں اپنے کمرے میں رکھیں اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

نازنین نے باورچی خانے میں جا کر دیکھا سنگیت اس کی بھابی کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ نازنین خوش ہو گئی۔ وہ بولی۔ "سنگیت باجی! کیا بھابی نے آپ کو اپنا شاگرد بنا لیا ہے؟"

"جی ہاں۔" سنگیت نے جواب دیا۔

"مبارک ہو.......... بھابی ہر کسی کو اپنا شاگرد نہیں بناتی ہیں۔" نازنین خوش دلی سے بولی۔

"بھابی نے .... ایک ہی دن میں بہت کچھ سکھا اور سمجھا دیا ہے۔ میں کل علی

الصباح سے باورچی خانہ سنبھال لوں گی۔"

"ویسے مجھے بڑی ہونہار اور قابل شاگرد ملی ہے۔" ثمرین نے کہا۔ "کام کاج اور کھانے پکانے کا سنگیت کو جنون ہے۔ جنون ہی آدمی کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ مجھے سنگیت کو شاگرد بنا کر بہت خوشی ہوئی۔"

☆======☆======☆

سعید کبیر آج صبح اچانک سلہٹ چلے گئے تھے کیونکہ ان کے والد کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ آج صبح ان کی والدہ کا ٹیلی فون آیا تھا۔ اس لئے آج سنگیت سے ان کا سامنا نہیں ہوا اور نہ تعارف ہو سکا۔ سہ پہر کے وقت سعید کبیر کا ٹیلی فون آیا کہ ان کے والد کی طبیعت قدرے بہتر ہے لیکن ان کی واپسی میں تین چار دن لگ سکتے ہیں اس لئے نازنین شام کے وقت بھابی کے بچوں کو پڑھانے لگی۔

ادھر سنگیت نے چار دنوں میں گھر کا سارا نظام سنبھال لیا تھا صرف ثمرین ہی کو نہیں بلکہ گھر کے ہر فرد کو یہ احساس ہو گیا کہ سنگیت ان کی توقعات سے بڑھ کر قابل نکلی ہے۔ وہ طبعاً تیز تھی اور اس کے مزاج میں نفاست بھی تھی اور ہوشیاری بھی۔ ہر کام تیزی، پھرتی اور مستعدی سے کرتی تھی کوئی کام کرتے ہوئے اسے عار محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ تیزی سے ہر کسی کے خیالات تک پہنچ جاتی تھی۔ ثمرین بچوں کو تیار کرنے اور اسکول بھیجنے کے لئے صبح چھ بجے بیدار ہو جاتی تھی لیکن سنگیت اس سے پہلے باورچی خانے میں ہوتی تھی وہ بچوں کو ناشتا تیار کر کے دیتی اور ان کو یونیفارم بھی پہناتی۔ ہر ایک کے چائے اور ناشتے کا خیال بھی رکھنے لگی تھی۔

ثمرین نے اس سے دو تین بار کہا تھا۔ "سنگیت! تم مجھے کاہل اور ناکارہ بنا کر رکھ دو گی۔"

پانچویں دن ثمرین سہ پہر کے وقت اپنی امی سے ملنے چلی گئی تھی۔ آج اس نے پہلی مرتبہ خود سے رات کا کھانا تیار کیا تھا۔ ثمرین دن ڈوبنے کے ایک گھنٹے کے بعد آ گئی تھی کھانے کی میز پر تمام لوگ موجود تھے۔

ادھر سنگیت کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اگر کسی نے اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا

پسند نہیں کیا تو اسے کس قدر شرمندگی اٹھانا پڑے گی اگر ذائقہ دار نہ ہوا تو اس کی سبکی الگ ہو گی؟ وہ باری باری سب کے چہروں کی طرف دیکھنے لگی۔ آج سردی بڑھ گئی تھی لیکن اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی سب نے کھانا شروع کیا اس نے چکن کڑاہی، رزالہ، مٹن فرائی اور چپاتیاں بنائی تھیں۔ تافتان بازار سے منگوائے تھے۔

محمد علی خوند کرنے دوسرا نوالہ لینے کے بعد ثمرین سے پوچھا۔ "آج کھانا کس نے پکایا ہے؟"

"کیا ٹھیک نہیں پکا ہے؟" ثمرین نے پہلے سنگیت کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے ان کی طرف، ادھر ذرا سی دیر کے لئے سنگیت کا دل دھڑکنا بھول گیا اس نے اپنے پورے بدن پر پسینے کی بوندیں محسوس کیں۔

"میں نے یہ پوچھا ہے کہ آج کھانا کس نے بنایا ہے؟" انہوں نے اپنا ہاتھ روک کر پھر پوچھا۔

"میں نے........." ثمرین نے جواب دیا سنگیت کا چہرہ دیکھ کر اس نے ساری ذمے داری اپنے سر لے لی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کہ یہ کھانا تم نے پکایا ہے۔" وہ اپنی بہو کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "میں آٹھ برسوں سے تمہارے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کھا رہا ہوں۔ اس میں تمہارا ہاتھ بالکل بھی نہیں ہے۔"

"یہ مٹن فرائی بھی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اسے میری بہو نے نہیں بھونا ہے۔" بیگم رشیدہ بانو بولیں۔

"یہ تمام کھانے میں نے پکائے ہیں۔" سنگیت نے کسی مجرم کے انداز میں اعتراف جرم کیا۔ "کھانے خراب پکے ہیں اس میں ثمرین بھابی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ مجھے بچانے کے لئے سارا قصور اپنے سر لے رہی ہیں۔"

"تو سنگیت بیٹی نے یہ کھانے پکائے ہیں۔" انہوں نے بے یقینی سے سنگیت کی طرف دیکھا۔ "تم نے کس سے سیکھا؟ نازنین اور بہو میں سے تمہارا استاد کون ہے؟"

"میری استاد تو ثمرین بھابی ہیں لیکن آپ لوگ انہیں دوش نہ دیں نااہل شاگرد کی

غلطی ان کے سر نہ ڈالیں۔ یہ میری پہلی کوشش ہے۔ بھابی نے منع کیا تھا کہ میں نہ پکاؤں۔ وہ امی کے ہاں سے آ کر پکالیں گی۔" وہ خجل سی ہو کر بولی۔

"اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ استاد کا نام خوب روشن کرو گی۔" وہ ہنس کر بولے۔ "استاد تمہیں کھانا پکانا سکھانے بند کر دے گی۔"

"کل سے میں نہیں پکاؤں گی۔" سنگیت نظریں نیچی کر کے بولی۔ "ابھی میں نے پوری طرح سیکھا ہی نہیں ہے۔"

"اچھا .... پوری طرح سیکھا نہیں ہے تو یہ حال ہے جب اچھی طرح پکانا سیکھ جاؤ گی تب کیا ہو گا؟ تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھیں۔ ایسے لذیذ کھانے تم پکانے لگو گی تو سب کی خوراک بڑھ جائے گی۔ یہ تمہاری امی جو ایک سو چالیس کلو کی ہیں جلدی سے دو سو رنز کی طرح دو سو کلو کا وزن پورا کر لیں گی۔"

"جی.........." سنگیت نے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

"سچ پوچھو تو تم نے اپنی استاد کو پیچھے نہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ خبردار کسی نے اس پیالے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔" انہوں نے چکن کڑاہی کا پیالہ اپنی بیگم کے سامنے سے اٹھا کر اپنی رکابی کے پاس رکھ لیا۔ سب ہی ہنسنے لگے۔ سنگیت کی جان میں جان آئی۔ وہ بولی۔ "ابو! سالن بہت ہے آپ فکر نہ کریں۔"

☆======☆======☆

بڑی سہانی شام تھی' پانچ بجے تھے' سنگیت اپنے کمرے میں سنگھار میز کے بڑے آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ نازنین کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے پاس آ کر بولی۔ "باجی! سر بچوں کو پڑھانے کے لئے آ گئے ہیں۔ آپ چلئے۔ وہ نئے شاگرد کا انتظار کر رہے ہیں انہیں تاخیر بالکل پسند نہیں ہے۔"

"بس ایک منٹ نازنین!" وہ سر کے بارے میں سنتے ہی تیزی سے چوٹی گوندھنے لگی۔

سنگیت نے سعید کبیر کو دیکھا اس کا خیال تھا کہ سعید کبیر کوئی چالیس بیالیس برس کے ہوں گے مگر وہ تو پچیس چھبیس برس سے زیادہ کے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ایک لاابالی

نوجوان کی طرح تھے ان کے چہرے مہرے اور وضع قطع سے ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ ہر وقت کھوئے کھوئے رہتے ہیں اپنے لباس سے بے نیاز الجھے الجھے سے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں سے ایک دلکش مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی جیسے وہ ہر وقت ان ہونٹوں سے کھیلتی رہتی ہو۔ سنگیت کو ان کی مسکراہٹ بڑی پیاری اور پُرکشش سی لگی' وہ مسحور ہو گئی۔

سنگیت نے سعید کبیر کے پاس جا کر انہیں مؤدبانہ انداز سے سلام کیا تو نازنین شوخی سے بولی۔ "سعید کبیر بھائی جان! کیا آپ اس بچی کو ٹیوشن پڑھا دیں گے؟"

وہ رسمی انداز سے سلام کا جواب دے کر بے نیازی سے بولے۔ "اگر یہ پڑھنا چاہیں تو پڑھا دوں گا۔ آپ نے ان کا تعارف نہیں کرایا؟ یہ محترمہ کون ہیں؟"

"آپ ہماری باجی سنگیت ہیں۔" نازنین نے جواب دیا۔ "ابو نے انہیں آپ کی شاگردی میں دے دیا ہے۔"

"سنگیت..........!" وہ چونک کر سنگیت کو دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔ "اچھا تو آپ وہی محترمہ ہیں جن کے سنسنی خیز چرچے آج کل ہر کسی کی زبان پر ہیں۔"

"جی ہاں .... یہ وہی سنگیت باجی ہیں جنہوں نے راتوں رات ہمارے خاندان میں شہرت حاصل کر لی ہے اور دھوم مچا رکھی ہے۔"

"تشریف رکھیں۔" انہوں نے خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ جب سنگیت بیٹھ گئی تو انہوں نے پوچھا۔ "یہ فرمایئے .... آپ نے کتنا پڑھا ہوا ہے اور آپ مجھ سے کیا پڑھنا چاہتی ہیں۔"

"باجی صرف بنگلہ زبان جانتی ہیں لیکن لکھنا واجبی سا بلکہ آتا ہی نہیں ہے۔ انگریزی صرف اے بی سی ڈی تک آتی ہے۔" سنگیت کے بجائے نازنین بولی۔ "گنتی بھی صرف سو تک آتی ہے لیکن لکھنا نہیں جانتی ہیں۔"

"اچھا.........." سعید کبیر کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔ "میں آج کتابیں اور کاپیاں لکھے دیتا ہوں وہ منگوا لیں۔ ان کی پڑھائی کل سے شروع ہو گی' پانچ بجے سے چھ

بجے تک پڑھائی ہو گی۔ اتوار کے دن چھٹی ملے گی۔ درمیان میں ایک دن کا بھی ناغہ نہیں ہونا چاہئے۔"

☆======☆======☆

سنگیت رات سونے کے لئے بستر پر دراز ہوئی تو اس کے تصور میں سعید کبیر کا چہرہ ابھر آیا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک عورت ہونے کے ناطے کبھی کسی مرد کے بارے میں سوچا نہیں تھا۔ تصور میں دیکھا نہیں تھا۔ یہ عجیب سا شخص تھا جو اس کے من کے نہاں خانے میں آپ ہی آپ بس گیا تھا۔ اس کی شخصیت میں کوئی سحر تھا جس نے اسے جکڑ لیا۔ اس کے دل و دماغ پر چھا گیا تھا۔ وہ اس شخص کے بارے میں کیوں اور کس لئے سوچ رہی ہے وہ خود سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ شخص اس کے من کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ من کا دروازہ کھولوں کہ نہ کھولوں...........؟

نازنین نے سعید کبیر کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ اس کے برعکس نکلے تھے۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس کے حسن و جمال سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے اور نہ ہی انہوں نے اسے نظر بھر کے دیکھا جیسے ان کے نزدیک کسی جوان لڑکی کا بہت حسین اور پُرکشش ہونا حیرت کی بات نہیں۔

وہ تین دن سے یہ محسوس کر رہی تھی کہ خاندان کے لڑکے کسی نہ کسی بہانے نازنین یا بیگم رشیدہ بانو کے پاس آتے اور اسے اپنی نظروں کی گرفت میں لینے کی کوشش کرتے۔ اسی طرح جب وہ نازنین کے ساتھ لان میں بیٹھی چائے پیتی یا بیڈ منٹن کھیل رہی ہوتی تو وہ آ کر نازنین سے باتیں کرتے اور اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتے۔ لڑکیوں میں چمپا کے سوا کوئی اس کے قریب پھٹکتا بھی نہیں تھا۔ ان لڑکوں کا اس طرح سے اسے دیکھنا اور راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کرنا زہر لگتا تھا۔ مگر وہ کچھ سوچ کر خاموش ہو جاتی تھی۔ کوئی لڑکا اس سے معقول بات کرتا تو وہ بھی اچھے انداز سے بات کر لیتی تھی اور پھر نازنین کھیل چھوڑ کر اسے اپنے گاؤں میں باہر لے جاتی اور اسے گاڑی چلانا سکھاتی۔

دوسرے دن سنگیت ٹھیک پانچ بجے اپنا بستہ لے کر سعید کبیر سے پڑھنے کے لئے پہنچی وہ بھورے رنگ کی ساڑھی اور کالے رنگ کے بلاؤز میں ملبوس تھی جس میں اس کا

حسن اور نکھر گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا حسن بجلی بن کر سعید کبیر پر گرے گا۔ وہ اسے مبہوت ہو کر دیکھنے لگیں گے اور دیکھتے رہیں گے یا پھر کن انکھیوں سے دیکھنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ انہوں نے اسے دیکھنے کے بجائے اس کی کاپیاں اور کتابیں دیکھیں اور انہیں چیک کیا۔

"ٹھیک ہے، ان پر آپ کا نام لکھا ہوا نہیں ہے۔ نازنین سے کہیں وہ کتابوں اور کاپیوں پر آپ کا نام لکھ دے۔" وہ بولے۔

"جی سر!" اس نے بڑے مؤدبانہ انداز سے سر ہلایا۔ پھر اپنی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا لی۔

"آپ کو تھوڑا بہت بنگلہ لکھنا پڑھنا تو آتا ہے نا؟" انہوں نے بنگلہ کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی سر!" سنگیت نے جواب دیا۔ "میں بنگلہ اخبار اور رسالے پڑھ لیتی ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، شاباش اس طرح آپ بہت جلد لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں گی۔ اچھا اب اے سے زیڈ تک لکھ کر بتائیں، آپ کو انگریزی پر زیادہ توجہ دینا اور محنت کرنا ہو گی۔" سعید کبیر نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ انگریزی کی کاپی پر اے بی سی لکھنے لگی۔ سعید کبیر بچوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور انہیں پڑھانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد سنگیت نے ان کی طرف دیکھا جو بچوں کو انگریزی زبان میں املا لکھوا رہے تھے۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے سنگیت کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی کاپی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے اے سے زیڈ تک لکھ لیا ہے۔"

"بہت خوب۔" انہوں نے سنگیت کے ہاتھ سے کاپی لے لی۔ لکھائی دیکھتے ہی ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ "بہت خوب .... ماشاء اللہ .... آپ نے کتنا خوبصورت لکھا ہے، یہ تمام حروف تو کیڑے مکوڑے معلوم ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں ایم، این، وائی اور ڈبلیو بھی غائب ہے۔ یہ کوئی لکھائی ہے؟ کیا لکھائی ایسی ہوتی ہے؟" وہ بگڑ کر بولے۔

"سر! میں کیا کروں، میری لکھائی ہی ایسی ہے۔" وہ گھبرا کر بولی۔ "میں اپنی لکھائی ٹھیک کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"ربڑ سے غلط لکھا ہوا مٹایا جاتا ہے صفحہ پھاڑا نہیں جاتا۔ صفحہ جگہ جگہ سے پھٹ گیا ہے اور کتنا گندا لگ رہا ہے۔" سعید کبیر نے ناگواری سے کہا۔

"معافی چاہتی ہوں سر! کل سے ایسی غلطی نہیں ہوگی اور نہ ہی آپ کو شکایت کا موقع ملے گا۔" وہ خجل سی ہو کر بولی۔

"پہلا دن ہے اس لئے آپ کو معاف کر رہا ہوں۔ آپ کوئی تین برس کی بچی نہیں ہیں۔ چلئے .... اب ایک سے لے کر پچاس تک کی گنتی لکھیں۔ نازنین بتا رہی تھی کہ آپ کو گنتی نہیں آتی ہے۔"

"اس نے مذاق کیا ہوگا.......... میں سو تک گنتی لکھنا جانتی ہوں۔"

"چلئے .... سو تک لکھ کر دکھائیں۔ مگر خدا کے لئے انہیں کیڑوں مکوڑوں کے روپ میں نہ ڈھال دیں۔"

چونکہ آج اس کا پہلا دن تھا اس لئے اسے بچوں سے پہلے چھٹی مل گئی تھی۔ اسے ہوم ورک بھی دیا گیا تھا۔ رات کھانا کھانے کے بعد وہ ہوم ورک کرنے بیٹھی تو نازنین بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

دوسرے دن جب وہ پڑھنے کے لئے سعید کبیر کے پاس پہنچی تو وہ اس سے کاپیاں لے کر ہوم ورک دیکھنے لگے۔ پھر تند لہجے میں بولے۔ "آپ نے یہ سارا کام توجہ اور دھیان سے نہیں کیا۔ آپ کی لکھائی اتنی خراب ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس طرف بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے۔"

"جی اچھا سر!" سنگیت آہستگی سے بولی۔ "میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گی لیکن سر! لکھائی ٹھیک ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا کیونکہ میں نے کوئی تین برس سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اس لئے میری لکھائی خراب ہو گئی ہے۔"

"لکھائی ٹھیک کرنے کے لئے آپ کو کتنی مدت درکار ہے۔ ایک برس یا دو تین برس.........." سعید کبیر تیز لہجے میں بولے۔ "اب آپ رف کاپی اور قلم سنبھالیں۔ میں

جو بولتا جاؤں وہ آپ لکھتی جائیں۔ میں بنگلہ کا املا لکھوا رہا ہوں۔"

پھر انہوں نے بے بی کی بنگلہ کتاب اٹھالی۔ بے بی تیسری جماعت میں پڑھتی تھی۔ انہوں نے ایک سبق کا سب سے بڑا پیراگراف لکھوایا۔ پھر انہوں نے سنگیت کے ہاتھ سے کاپی لے کر دیکھی تو اپنا سر پیٹ لیا۔ "یہ تو آپ نے کل سے بھی خراب لکھا ہے۔ آپ سے اچھی بلکہ بہت اچھی لکھائی تو بے بی کی ہے۔ بے بی تیسری جماعت میں پڑھتی ہے۔ یہ آپ جانتی ہیں نا؟"

"مگر سر!" سنگیت معصومیت سے بولی۔ "میں کے.جی ون کلاس کی ہوں۔ آپ نے مجھے تیسری جماعت کی کتاب کا املا لکھوایا ہے۔"

"آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں بنگلہ کے اخبار اور رسالے پڑھتی رہتی ہوں۔ لکھنا بھی جانتی ہوں۔" سعید کبیر کاپی پر قلم چلانے لگے۔

"آپ ابھی مجھ سے کوئی اخبار یا رسالہ پڑھوا کر دیکھیں۔ میں آپ کو فرفر سنا سکتی ہوں۔" سنگیت بولی۔

"وہ تو میں بعد میں سنوں گا۔" سعید کبیر نے کاپی کھول کر اس کی نظروں کے سامنے رکھ دی۔ "ان دونوں بچوں کی لکھائی نہ صرف بہت اچھی ہے بلکہ یہ غلطیاں بھی نہیں کرتے ہیں۔ یہ ابھی تک واضح نہیں ہو سکا کہ آپ نے بنگلہ لکھی ہے یا چینی زبان .... کل بائیس الفاظ کا پیراگراف تھا۔ اس میں سے صرف دو الفاظ صحیح ہیں۔ یہ آپ بنگلہ جانتی ہیں؟"

سنگیت نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خجل سی نظریں نیچی کئے بیٹھی رہی۔ اس نے کاپی اٹھا کر لکھنا شروع کیا تو اس نے کن انکھیوں سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی بے نیازی سے لکھ رہے تھے۔ اس کا بس چلتا تو وہ صدیوں تک اسی طرح انہیں دیکھتی رہتی۔ انہیں دیکھ کر اس کے من کو ایک عجیب سی فرحت مل رہی تھی۔ جب سعید کبیر نے لکھنا موقوف کیا تو اس نے فوراً ہی اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔

"میں نے غلطیاں درست کر کے لکھ دی ہیں۔ آپ ایک ایک لفظ کو تیس تیس مرتبہ لکھ کر دکھائیں گی۔" وہ بولے۔

"تیس تیس مرتبہ؟" سنگیت اچھل پڑی۔ "آپ نے ساری رات لکھنے کا کام دے دیا۔"

"یہ میرا نہیں آپ کا مسئلہ ہے۔" سعید کبیر نے بے پروائی سے کہا۔ "آپ چاہیں تو اسے دو گھنٹے میں لکھ کر دکھا سکتی ہیں۔"

"جی سر! کوشش کروں گی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"لیکن ایک بات آپ یاد رکھیں۔ آپ بہت صاف ستھرا لکھ کر لائیں گی۔ آپ نے بنگلہ کو چینی رسم الخط میں لکھا تو میں آپ کو ایک ایک لفظ سو سو مرتبہ لکھنے کو دوں گا۔ سمجھیں آپ؟"

"جی اچھا سر!" سنگیت نے اپنا سر ہلایا۔ "ویسے آپ کے جی ون کلاس کی بچی سے بہت کام لے رہے ہیں۔"

"آپ بچی ہیں؟ بہت خوب' ماشاء اللہ۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرائے۔ "محترمہ آپ کی عمر کی لڑکیاں ایم اے گریجویٹ اور ایم بی اے ہوتی ہیں۔"

"سر! میں آپ کے لئے چائے بنا کر لے آؤں؟" وہ کاپی رکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی نہیں .... آپ تشریف رکھیں۔ میری خدمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ثمرین بھابی روز چائے بنا کر دے جاتی ہیں۔"

وہ بیٹھ گئی۔ سعید کبیر نے بنگلہ کی کتاب اس کے سامنے رکھ دی۔ "آپ یہ سبق فر فر سنائیں۔"

☆======☆======☆

دوسرے دن سعید کبیر اس کی کاپی چیک کرتے ہوئے اچھل پڑے۔ "یہ درمیان میں کس کی اتنی خوبصورت لکھائی ہے؟"

یہ .... یہ..........." وہ ہکلائی۔ "سر! یہ نازنین نے لکھا ہے۔"

"نازنین نے کیوں لکھا؟" سعید کبیر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "میں نے آپ کو لکھنے کو دیا تھا' نازنین کو نہیں۔"

"اس لئے کہ مجھے لکھتے لکھتے رات کے دو بج گئے تھے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں بہت تھک گئی تھی۔"

"تو کل سے آپ نازنین کو ٹیوشن پڑھنے کے لئے بھیج دیا کریں' اسے اپنا کھانا بھی کھانے کو دے دیا کریں۔"

"مجھے معاف کر دیں سر!" اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ "کل سے میں اپنا کام خود کروں گی۔"

"شاباش! یہ ہوئی نا بات۔" سعید کبیر مسکرا دیئے۔ "علم بغیر محنت کئے حاصل نہیں ہوتا۔ مجھے دیکھئے' میں رات کو دو تین بجے تک پڑھتا ہوں۔ اب تو پڑھنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ دن میں دو ٹیوشنز کرتا ہوں۔ یہ علم میرے کام آ رہا ہے۔ اس سے میری معاشی ضرورت بھی پوری ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے شاگرد بھی علم کی روشنی پھیلائیں' آپ بھی کسی قابل بنیں۔"

"میرے کسی قابل بننے یا نہ بننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" سنگیت گہری سانس لے کر بولی۔

"بہت فرق پڑتا ہے۔" وہ اپنے الجھے الجھے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگے۔ "محمد علی انکل نے آپ کو یہاں لا کر اس ماحول سے نکال کر ایک بہت بڑی مثال قائم کی ہے۔ ان کے اس جذبے نے میرے دل میں ان کی عزت دو چند کر دی ہے جبکہ خاندان کے افراد ان کے اس عظیم جذبے کو سراہنے کے بجائے اعتراضات کر رہے ہیں۔ آپ کے بارے میں ان کی سوچ اور خیالات اچھے نہیں ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ان کے اندازے غلط ثابت کر دیں۔ میں نے آپ کو ان کے اور اپنے اندازے کے برعکس پایا۔ آپ ایک اچھے گھر کی فرد کی طرح لگتی ہیں۔"

"شکریہ سر!" وہ ممنونیت سے بولی۔ "آپ نے مجھے کسی قابل تو سمجھا۔"

"نازنین اور ثمرین بھابی نے مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔" سعید کبیر کہنے لگے۔ "آپ کو ان کے خاندان والوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ انکل نے آپ کا انتخاب کر کے غلطی نہیں کی ہے۔ وہ ایک انمول ہیرا لے کر گھر آئے ہیں۔"

اس وقت نازنین کمرے میں داخل ہوئی' ان سے بولی۔ "کبیر بھائی! آپ کا ٹیلی فون ہے۔"

"کس کا ٹیلی فون ہے؟" سعید کبیر نے پوچھا۔

"مس صنوبر کا ہے۔" نازنین نے جواب دیا۔ "بوا بتا رہی تھی کہ صبح بھی ان کا ٹیلی فون آیا تھا۔"

سعید کبیر ٹیلی فون سننے کے لئے کمرے سے فوراً ہی نکل گئے۔ سنگیت کو ایک صدمے کا احساس ہوا۔ یہ مس صنوبر کون ہے؟ شاید اس سے قریب ہے' اس کی زلف کے اسیر ہیں۔ اسی لئے تو وہ اس سے متاثر نہیں ہیں۔ اس کی طرف ایک عورت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

"ہاں تو باجی! ہمارے سر آپ کو کیسے لگے؟" نازنین نے پوچھا۔ "آپ نے ان کو کیسا پایا؟ کل کے ہوم ورک پر کیا کہا؟"

"تمہارے سر پڑھائی کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔" سنگیت نے جواب دیا۔ "ڈانٹتے بہت ہیں۔ تمہاری لکھائی کے بارے میں بتایا تو سر برا منانے لگے کہ نازنین سے کہہ دو وہ کل سے آ کر پڑھ لیا کرے۔"

"سر ہیں تو سخت مزاج کے .... اس میں شبہ نہیں۔" نازنین نے کہا۔ "لیکن پڑھاتے بہت اچھا ہیں۔ آپ کو دو ایک مہینے میں اتنا کچھ سکھا دیں گے کہ آپ کسی اسکول میں ایک سال میں بھی اتنا کچھ سیکھ نہیں پائیں گی۔ ایسے ماسٹر کہاں ملتے ہیں۔"

"پڑھائی کے معاملے میں میرا دماغ بہت کورا ہے۔" سنگیت بولی۔ "ویسے میں پوری کوشش کروں گی کہ جلد سے جلد اچھی طرح سے لکھنا پڑھنا سیکھ لوں۔"

"اچھا بھئی میں چلتی ہوں۔" نازنین دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ "آپ کے سر نے مجھے آپ سے باتیں کرتے دیکھ لیا تو ہم دونوں کی کھنچائی کر دیں گے۔ وہ ذرا بھی لحاظ نہیں کریں گے۔"

نازنین چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سعید کبیر آئے تو ان کا چہرہ کسی پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور آنکھوں میں دیئے جل رہے تھے۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے جیسے

انہیں بہت بڑی دولت مل گئی ہو۔ اس نے انہیں اتنا مسرور دیکھا تو اس کے دل پر چوٹ سی لگی۔

ثمرین ان دونوں اور بچوں کے لئے چائے لے کر آئیں۔ وہ چائے دے کر چلی گئیں تو اس نے محسوس کیا کہ خوشی کا اثر ان پر ابھی تک چھایا ہوا ہے۔ چند لمحوں کے بعد چائے پینے کے دوران سنگیت کی زبان سے بلا ارادہ نکل گیا۔ "سر! آپ کہیں ملازمت کیوں نہیں کر لیتے؟"

"اچھی ملازمت کہاں ملتی ہے مس سنگیت!" انہوں نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔ "ملازمت کے لئے اسناد کی نہیں بلکہ سفارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیز میرے پاس نہیں ہے۔"

"آپ ابو سے ملازمت کے لئے کیوں نہیں کہتے ہیں؟ آپ کے انکل تو بہت بڑے آدمی ہیں' ان کی بہت بڑی فرم ہے' آپ کو اپنے ہاں رکھ سکتے ہیں یا کہیں بھی ملازمت دلوا سکتے ہیں۔"

"میں کسی کی سفارش یا بیساکھیوں کی مدد سے اپنی زندگی بنانا نہیں چاہتا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"وہ کس لئے؟" سنگیت کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔ "جب سفارش مل سکتی ہے تو اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے ہیں؟"

"اس لئے کہ میں ایک باصلاحیت شخص ہوں' کسی کا احسان کس لئے لوں؟" سعید کبیر نے کہا۔

"اس طرح تو پھر آپ کو ساری زندگی کہیں بھی کبھی بھی ملازمت نہیں ملے گی؟ وقت تیزی سے گزرتا ہے' گزر جائے گا۔"

"خیر ایسا بھی اندھیر نہیں ہے۔" سعید کبیر کہنے لگے۔ "اخبارات میں ضرورت ہے کہ اشتہارات چھپتے رہتے ہیں۔ میں وہاں درخواستیں بھیجتا رہتا ہوں۔ اس امید پر کہ کہیں تو میری قدر شناسی ہوگی۔ کوئی تو میری صلاحیت اور قابلیت کو تسلیم کرے گا۔"

"نازنین بتا رہی تھی کہ آپ کے پاس بہت بڑی ڈگری ہے۔ پھر بھی آپ مزید پڑھ

رہے ہیں۔ اتنا پڑھ کر کیا کریں گے؟"

"میں مزید اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہو جاؤں اور اسکالرشپ حاصل کر لوں۔" وہ کہنے لگے۔ "اسکالرشپ مل گئی تو کسی غیر ملک میں جا کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کروں گا۔ ہمارے ملک میں قابلیت اور اہلیت کی کوئی قدر نہیں ہے۔ صرف ڈگری کی اہمیت ہے۔ وہ بھی غیر ملکی ڈگری کی۔ ہمارے ملک کی ڈگری ہمارے ملک میں اسی لئے کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی کہ ابھی تک ہماری ذہنیت غلامانہ ہے۔ جن کے پاس یہاں کی ڈگریاں ہیں وہ گھاس کاٹ رہے ہیں۔ میرے ایسے تمام دوست جو کسی سفارش یا رشوت پر پاس ہو گئے وہ سفارش کی وجہ سے آج بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ ان میں ایک درخواست لکھنے کی کوئی قابلیت ہے اور نہ کوئی صلاحیت اور انہیں بات کرنے کی تمیز تک نہیں ہے۔ انہیں انسان کہنا انسان کی توہین ہے۔"

"تو پھر یہ تعلیم سب فضول ہے۔" سنگیت حیرت سے بولی۔ "لوگ تعلیم حاصل کرنے کے لئے وقت اور پیسہ کس لئے برباد کرتے ہیں؟"

"تعلیم کا حصول فضول نہیں ہے۔" سعید کبیر نے ایک گہری سانس لی۔ "اس میں ہماری غلامانہ ذہنیت اور نظام کی خرابی کا دخل ہے۔ جب تک یہ ذہنیت قائم ہے اس وقت تک پڑھے لکھے جاہل لوگ ہم پر مسلط رہیں گے۔ یہ سفارش کا سلسلہ بھی ختم ہونا چاہیے۔"

"میں نے فلموں میں دیکھا ہے کہ بڑا آدمی بننے کے بعد اس کی فطرت' ذہنیت اور خیالات تک بدل جاتے ہیں۔"

"اگر میں اتفاق سے بڑا آدمی بن گیا تو اس بات کو غلط ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولے۔ "میں نے تعلیم انسانیت کی بے لوث خدمت کرنے کی غرض سے حاصل کی ہے۔"

"آپ کسی غیر ملک میں جا کر ملازمت کیوں نہیں کر لیتے؟" سنگیت نے مشورہ دیا۔ "سنا ہے وہاں بہت اچھے پیسے ملتے ہیں؟"

"اس لئے کہ میرے ملک کو میری ضرورت ہے۔" یکایک ان کا لہجہ جوشیلا ہو گیا۔

"میں کیوں اپنا وقت' صلاحیت اور توانائی کسی غیر قوم کو فروخت کر دوں۔ وہ لوگ جو باہر جا کر ملازمت کر رہے ہیں میرے نزدیک ان کا کوئی کردار نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے مجھے شدید ترین نفرت ہے۔ ان کی وجہ سے ہمارا ملک ترقی نہیں کر سکا۔" انہوں نے اپنی چائے ختم کر کے پیالی ایک طرف رکھ دی۔

"مگر سر!" سنگیت نے کہا۔ "میں تو یہ سنتی آئی ہوں کہ لوگ کسی نہ کسی وجہ اور مجبوری کے باعث باہر گئے ہیں اور جا رہے ہیں۔"

"مثلاً ان کی کیا مجبوری ہے؟" سعید کبیر کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کسی کو گھر بنانے' کسی کو اپنی لڑکیوں اور بہنوں کی شادیوں کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ بعض لوگوں کا خاندان بڑا تھا۔ وہ آسانی سے کفالت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ملک کو ہر سال زبردست زر مبادلہ بھی حاصل ہوتا ہے۔"

"بہت خوب!" سعید کبیر نے سنگیت کو حیران کن نظروں سے دیکھا تو وہ ان کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکی۔ "آپ تو کسی پڑھی لکھی عورت کے انداز میں بات کر رہی ہیں۔ کیا آپ کے پیشے میں بھی تعلیم یافتہ ہوتے ہیں؟ ان میں شعور ہوتا ہے؟ آپ اتنا کچھ کیسے جانتی ہیں؟ کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گی؟"

"میں نے ایک پروفیسر صاحب کے گھر میں سال سوا سال ملازمت کی ہے۔" سنگیت کہنے لگی۔ "ان کی لڑکیاں اسکول اور کالج میں پڑھتی تھیں۔ ان لڑکیوں کی سہیلیاں بھی ملنے کے لئے آتی تھیں۔ وہ ان موضوعات پر باتیں اور خوب بحث کرتی تھیں۔ میں ان کی باتیں بڑے غور سے سنتی تھی۔ ان کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی تھیں۔"

"اب آپ اپنے سوال کا جواب سنیں۔" وہ کہنے لگے۔ "اس شہر اور سارے ملک میں ایسے ہزاروں اور لاکھوں لوگ ہیں جنہوں نے یہاں کما کر گھر بنائے' بچوں کی شادیاں کیں اور اپنا مستقبل بنایا۔ یہ اس وقت بنایا جب لوگ باہر جا کر ملازمت نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں کی کسی نہ کسی طرح گزر بسر ہو جاتی تھی۔ اس طرح آج ہزاروں لاکھوں یہاں کما کر خوش ہیں اور ان کا مستقبل تابناک ہے۔ دراصل خوابناک زندگی کا حصول انہیں باہر لے گیا۔ اس نے کئی مسائل پیدا کئے۔ انہیں قربانیاں دینا پڑیں۔ اس کی انہیں بڑی

بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی ہے اور اب بھی ادا کر رہے ہیں۔ رہی بات زر مبادلہ کی' زر مبادلہ یہاں رہ کر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ افرادی قوت نے غیر ممالک کو کیا سے کیا بنا دیا۔ اگر یہ حکومت کے اہلکار اور لوگ قناعت کی اور سادگی کی زندگی بسر کرتے' پورا ملک سادگی سے زندگی گزارے تو زر مبادلہ کی اتنی بچت ہو گی کہ ملک خوش حال ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ نہ تو ہمارے حکمراں ملک سے مخلص ہیں نہ سرمایہ دار ہر شخص لوٹ کھسوٹ میں لگ گیا ہے۔ رشوت ستانی' اقربا پروری اور خودغرضی کے عفریت ہمیں نگل رہے ہیں اور ملک تیزی سے اندر سے کھوکھلا ہو رہا ہے۔"

سنگیت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جیسے لاجواب سی ہو گئی تھی۔ سکوت سا چھا گیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ بولے۔ "مس سنگیت! آپ میں ہر بات کو سمجھنے کا شعور ہے۔ آپ لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ یہ آپ کے ذہن کو اور پختہ کر دے گا۔"

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ اس عرصے میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی جس کا اثر سنگیت قبول کرتی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ سعید کبیر اس میں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔ انہوں نے نہ تو اس سے کبھی بے تکلف ہونے کی کوشش کی اور نہ ہی کبھی اس کی پچھلی زندگی کو کریدا۔ ان کی دلچسپی صرف پڑھانے کی حد تک تھی۔ وہ لکھنے پڑھنے میں بودی ثابت ہوئی تھی۔ اپنی لکھائی اب تک ٹھیک نہیں کرپائی تھی۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا اسے ڈانٹ نہ پڑتی ہو اور سرزنش نہ ہوتی ہو۔

سعید کبیر ہفتے کے دن اپنے والدین سے ملنے سلہٹ گئے تو اس نے اس روز سرونٹ کوارٹر کا رخ کیا۔ یہ کوارٹر ان کے قبضے میں تھا۔ دروازے پر تالا لگا ہوا نہیں تھا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ یہ کمرہ خاصا کشادہ' روشن اور ہوادار تھا۔ مگر کسی کباڑ خانے کی طرح لگ رہا تھا۔ ہر چیز بے ترتیب اور بکھری ہوئی تھی۔ جالے اور گرد بھی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے مہینوں سے اس کی صفائی نہیں ہوئی ہو۔ بستر کی چادر اور تکیے کے غلاف بھی میلے ہو رہے تھے۔

پھر وہ کمرے کی صفائی میں جٹ گئی۔ اس نے فرش بھی واشنگ پوڈر سے دھو ڈالا۔ بستر کی چادر اور غلاف بھی بدل ڈالے۔ کتابیں میز پر ترتیب اور سلیقے سے رکھ دیں۔ کمرہ

کسی صاف و شفاف آئینے کی طرف جگمگا اٹھا۔ ایک طرف میلے کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ اسے واشنگ مشین میں بوا سے دھلوایا۔ جب کپڑے سوکھ گئے تو ان کپڑوں پر خود ہی استری کی۔ پھر بڑی نفاست سے تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر وہ چلی آئی۔

پیر کے دن سعید کبیر رات گیارہ بجے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ اندر اندھیرا تھا۔ انہوں نے سوئچ بورڈ کے پاس پہنچ کر سوئچ آن کیا تو کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ انہوں نے بڑی حیرت سے اپنے کمرے کو دیکھا جو آئینے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ ایک ایک چیز کی ترتیب سے سلیقہ ٹپک رہا تھا۔ انہیں لگا وہ غلطی سے کسی اور کمرے میں آ گئے ہیں۔

یہ کام سونی بوا کا نہیں ہو سکتا؟ انہوں نے پلنگ کے بستر پر بیٹھ کر پیر سے جوتے نکالتے ہوئے سوچا۔ یوں تو بوا روز ان کے کمرے میں صفائی کر جاتی تھی مگر برائے نام .... وہ کپڑے بھی نہیں دھوتی تھی۔ اس لئے وہ ڈرائی کلین شاپ سے دھلواتے تھے۔ آج نہ صرف کپڑے دھلے ہوئے تھے بلکہ ان پر استری بھی کی ہوئی تھی۔ یہ کام کس کا ہو سکتا ہے؟

وہ کپڑے بدلنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ ایک لحظہ کے لئے انہوں نے سوچا۔ کون ہو سکتا ہے؟ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ بھڑا ہوا تھا۔ پھر بھی انہوں نے جا کر دروازہ کھولا۔ وہ حیرت سے اچھل پڑے۔

دروازے پر سنگیت دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے ہوئے کھڑی تھی۔

اس کے سر پر سفید ساڑھی کا پلو تھا جس کے ہالے میں چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے دمک رہا تھا۔ اس کی رعنائیاں جلوہ گر تھیں۔ چہرہ اور سراپا تھا کہ ان کی آنکھوں میں جذب ہو رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے سحرزدہ سے ہو کر رہ گئے۔

"میں آپ کے لئے کھانا لے کر آئی ہوں۔" سنگیت کی ترنم ریز آواز فضا میں لہرائی۔

انہوں نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے دیا۔ جب وہ اندر آ گئی تو سعید کبیر بولے۔ "میں نے ریل گاڑی کے ڈائننگ ہال میں کھانا کھا لیا تھا۔ آپ نے کیوں تکلیف

کی؟"

"سر! وہ تو اب تک ہضم ہو چکا ہو گا۔ کیونکہ آپ نے سات بجے کھایا ہو گا؟" سنگیت نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آج کھانے میں آپ کی مرغوب ڈش بطخ کڑاہی ہے۔ ابو نے رنگامائی سے خاص طور پر کچھ بطخیں منگوائی تھیں۔"

"آپ نے ٹھیک ہی کہا۔" وہ مسکرا دیئے۔ "یہ ڈش میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ میں آپ کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کھا رہا ہوں۔ واقعی آپ بہت اچھے کھانے پکاتی ہیں۔ یہ کمرہ کس نے ٹھیک کیا ہے؟"

"کمرہ؟" سنگیت بولی۔ "میں نے بوا سے کہہ کر ٹھیک کروایا ہے۔ کیوں' کیا اس نے صفائی ٹھیک نہیں کی؟"

"سونی بوا ساری زندگی اس طرح کمرہ صاف نہیں کر سکتی۔ وہ ایک دم پھوہڑ ہے اور پھر اسے کپڑوں پر استری کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے۔" سعید کبیر بولے۔

"ایک منٹ کے لئے یہ بات مان لیجئے کہ کمرہ اس نے صاف کیا ہے۔ کوئی بھی صاف کرے' صفائی تو ہونا چاہئے۔ صفائی نصف ایمان بھی ہے۔" وہ نگاہیں نیچی کر کے بولی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" سعید کبیر بولے۔ "آج تک کسی نے میرے کمرے میں جھانکا تک نہیں۔ آپ پہلی ہستی ہیں جس نے میرا اتنا خیال کیا پھر ایک بار آپ کا شکریہ۔"

"سر! میں آپ کی شاگرد ہوں۔ شاگردوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاد کا ہر کام کر دیا کریں۔ اس لئے میں نے........." سنگیت نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"میں نے نیلم' عالیہ اور زرنگار کو ٹیوشن پڑھایا۔ کبھی انہوں نے بھولے سے بھی ایک وقت کے کھانے پر بلایا اور نہ لا کر کھلایا۔"

"سر! دراصل وہ بڑے ماں باپ کی بیٹیاں ہیں اور میں ایک غریب ماسی کی بیٹی ہوں۔ یہ فرق ان میں اور مجھ میں ہے۔"

"اچھا اب جا کر آپ آرام کریں۔ صبح بوا کو بھیج کر برتن منگوا لیں۔" سعید کبیر نے

کہا۔

"آپ کو چائے کی طلب ہو رہی ہے تو چائے بنا کر لے آؤں؟" سنگیت نے دروازے کے پاس رک کر ان کی طرف دیکھا۔

"جی نہیں .... شکریہ۔ میں سونے سے پہلے چائے نہیں پیتا ہوں۔ ہاں .... مس صنوبر کا کوئی ٹیلی فون تو نہیں آیا تھا؟"

سنگیت کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس کے چہرے پر گھٹا سی چھا گئی۔ "جی نہیں۔" اس کی آواز گلے میں اٹک گئی۔

سنگیت اپنے کمرے کی طرف بڑھی تو اس نے نازنین کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اس کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ سو چکی تھی۔ گھر کے دوسرے افراد اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کر دروازہ بند کیا۔ لائٹ آف کی۔ پھر وہ سونے کے لئے بستر پر لیٹی۔ اس نے صنوبر کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو اسے اپنے سینے میں پھانس سی گڑھی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ کون ہے جس کے ٹیلی فون کا انہیں بڑی بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ اس کا ٹیلی فون آنے سے ان کے چہرے پر رونق آ جاتی ہے۔ وہ کِھل اٹھتے ہیں۔ وہ کس لئے روز انہیں ٹیلی فون کرتی ہے۔ وہ اس کے بارے میں سوچتے سوچتے گہری نیند سو گئی۔

صبح گیارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو وہ ٹیلی فون کی طرف لپکی۔ وہ اسی وقت باورچی خانے سے نشست گاہ میں آ کر صوفوں کے کشن ٹھیک کر رہی تھی۔ نازنین نے اسے بتایا تھا کہ ٹیلی فون پر کس طرح بات کی جاتی ہے۔ وہ ریسیور اٹھا کر بولی۔ "السلام علیکم!" دوسری طرف سے ایک رسیلی آواز نے سلام کا جواب دے کر پوچھا۔ "سعید کبیر صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ شام پانچ بجے آئیں گے۔ آپ کون بول رہی ہیں؟" سنگیت نے پوچھا۔

"جی .... میں صنوبر بول رہی ہوں۔" اس کا نام سن کر سنگیت کے دل پر ایک گھونسا لگا۔ "وہ آئیں تو انہیں میرا پیغام پہنچا دیں' ان سے کہیں کہ وہ ٹھیک شام سات

بجے میرے گھر پر پہنچ جائیں۔ شکریہ۔"

اس کی بات کا انتظار کئے بغیر دوسری طرف سے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ آواز تو بہت خوبصورت ہے۔ محترمہ یقیناً حسین بھی ہوں گی۔ اسی لئے تو دونوں ایک دوسرے کے دیوانے ہو رہے ہیں۔ اس نے سوچا۔ پھر اس نے ریسیور آہستہ سے کریڈل پر رکھ دیا اور دل شکستہ سی کھڑی رہی۔

دوبارہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر وہ سرگوشی میں باتیں کرنے لگی۔ ساتھ ساتھ ہی متوحش نظروں سے دیکھتی بھی جا رہی تھی۔ کوئی سن اور دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پھر اس نے کہا۔ "غور سے سنو.........." وہ تیزی سے ہدایات دیتی رہی۔ آخر میں یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ "میرا جادو چل تو گیا ہے لیکن ابھی وقت نہیں آیا ہے۔"

شام کے وقت ٹیوشن پڑھتے ہوئے اسے اچانک صنوبر کے ٹیلی فون کا خیال آیا۔ اس نے دانستہ اس کال کا ذکر نہیں کیا۔ یک لخت انہوں نے پوچھا۔ "کیوں بھئی مس سنگیت! مس صنوبر کا فون تو نہیں آیا تھا؟"

"جی ہاں آیا تھا۔" اس کی زبان سے بلا ارادہ نکل گیا۔ "ان محترمہ نے آپ کے نام ایک پیغام چھوڑا ہے۔"

"کیا پیغام تھا.........؟" ان کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"آج شام سات بجے انہوں نے آپ کو اپنے گھر پر بلایا ہے۔" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں آپ کو بتانا بھول گئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بولے۔ "آئندہ آپ ان کا پیغام ایک کاغذ پر نوٹ کر کے میرے کمرے میں رکھ دیا کریں۔"

سنگیت بڑی بے دلی سے پڑھتی رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ کن انکھیوں سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ آنکھیں دیکھی تھیں۔ اس پیغام نے انہیں سرشار کر دیا تھا۔ چہرہ دمک رہا تھا۔ آنکھوں میں چراغ روشن ہو گئے تھے۔ وہ پڑھاتے پڑھاتے کہیں کھو سے جاتے تھے۔ کسی خیال کے زیر اثر مسکرا دیتے تھے۔ بڑی پیاری سی مسکراہٹ ہوتی تھی۔ وہ دل میں سوچتی۔ کاش! یہ مسکراہٹ اس کے لئے ہوتی۔ وہ اس مسکراہٹ کو اس پر نچھاور کرتے تو

وہ کتنی خوش قسمت ہوتی۔

ٹھیک چھ بجے انہوں نے اسے اور بچوں کو چھٹی دے دی۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد برآمدے میں کھڑے ہو کر انہیں باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ لباس تبدیل کر کے، بالوں میں کنگھی کر کے کچھ اس طرح سے تیار ہو کر گئے تھے جیسے کسی دعوت میں جا رہے ہوں۔ وہ جانتی تھی کہ ایک عورت کی کشش انہیں کشاں کشاں لے گئی ہے۔

اس پر ایک گہری اداسی سی چھا گئی۔ وہ غیر ارادی طور پر لان میں آ گئی تاکہ کرشنا پورا کے پھول توڑے۔ اسی وقت ایک گاڑی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اس میں راحیل، نیلم، عالیہ اور زرنگار تھی۔ وہ گاڑی سے اتر کے اس کی طرف بڑھیں۔ اس نے ان کے چہروں اور آنکھوں سے محسوس کر لیا کہ آج ان کے ارادے کچھ اچھے نہیں ہیں۔ اسے تنہا دیکھ کر وہ اس کی دل آزاری کرنا چاہتے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں گھبرائی۔ پھر بڑے اطمینان و سکون سے وہاں کھڑی رہی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچیں تو اس نے مسکرا کر انہیں سلام کیا۔ نیلم کے علاوہ سب نے اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ راحیل ریشہ خطمی ہو رہا تھا۔ اس نے راحیل کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

"ہیلو سنگیت باجی!" عالیہ نے تمسخر کے انداز میں کہا۔ "آج کل کیسی گزر رہی ہے؟ آپ کا دل یہاں لگ گیا ہو گا کیوں؟"

"پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہو تو کیوں نہیں لگے گا؟ مفت کی روٹیاں کسے بری لگتی ہیں۔" نیلم نے زہر خند عالیہ سے کہا۔ "یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ چہرہ کیا چغلی نہیں کھا رہا ہے؟ سفیدی کی جگہ سرخی نے لے لی ہے۔"

"یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے نیلم بی بی!" سنگیت نے بڑے سکون و اطمینان سے کہا۔ "اس میں حسد و جلن کی کیا بات ہے؟"

"میں کیوں جلوں۔" نیلم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ تپے لہجے میں بولی۔ "میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری اوقات بھی بدل گئی ہے۔"

"ظاہر ہے اوقات تو بدلے گی۔" سنگیت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ یہ

چاہتی ہیں کہ میں یہاں ماسی کا کام کروں؟"

"نیلم!" راحیل نے اسے ٹوکا۔ "یہ تم نے کیا باتیں شروع کر دیں۔ کسی کی دل آزاری کرنا اچھی بات نہیں ہے۔"

"سنا ہے آج کل سعید کبیر بھائی سے ٹیوشن پڑھ رہی ہیں؟" عالیہ نے استہزائی لہجے میں پوچھا۔ "کیا ایم اے کی تیاری ہو رہی ہے؟"

اس کی بات سن کر نیلم اور زرنگار زور سے ہنس پڑیں۔ راحیل بھی مسکرا دیا۔ سنگیت نے اس کی بات کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ وہ بولی۔ "میں ٹیوشن پڑھ رہی ہوں۔ ایم اے کی تیاری نہیں کر رہی ہوں۔ انشاء اللہ وہ دن بھی جلد آ جائے گا۔ میں نے ابھی تو پڑھنا شروع کیا ہے۔ ایک دو دن میں پڑھ کر بی اے یا ایم اے تو نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں نے سنا ہے کہ کے جی ون کا کورس پڑھا جا رہا ہے۔" عالیہ معنی خیز انداز سے مسکرائی۔ "کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں۔" سنگیت نے سر ہلایا۔ "میں ایک ان پڑھ لڑکی ہوں۔ میری تعلیم کا آغاز کے جی ون سے ہو گا نہ کہ ایم اے کے کورس سے۔"

"سعید کبیر صاحب سے پڑھنے کے بجائے آپ نے کسی اسکول میں داخلہ کیوں نہیں لیا؟" عدیل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یہ محترمہ یونیفارم میں اسکول جائیں۔" نیلم نے چوٹ کی۔ "ویسے یہ یونیفارم میں بے بی لگیں گی۔ کیوں؟"

"آپ نے ڈرائیونگ کتنی سیکھ لی ہے؟" عالیہ نے پوچھا۔ "سنا ہے کہ آپ کے لئے نئی گاڑی دو ایک دن میں آ رہی ہے۔"

"نازنین کو فرصت نہیں ملتی ہے پھر بھی اس نے دو تین دن میں خاصا سکھا دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں دو تین دن میں اتنا سیکھ لوں گی کہ گاڑی سڑک پر چلا سکوں۔ ابھی تو میں ریس کورس کے میدان میں گاڑی چلاتی ہوں۔" سنگیت نے جواب دیا۔

"بائی دے وے' ذرا یہ تو بتائیں کہ آپ نے تایا ابو' تائی امی اور سارے گھر والوں پر کون سا جادو کیا ہے؟ کیا منتر پڑھ کر پھونکا ہے۔ انہیں کیا کچھ گھول کر پلا دیا ہے جو وہ

سب تمہیں بے حد پسند کرنے لگے ہیں۔" زرنگار نے کہا۔

"ان کی نیک دلی ہے جو ان لوگوں نے مجھے اپنا سمجھ لیا ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" سنگیت کہنے لگی۔ "دنیا میں سب سے بڑا جادو محبت کا جادو ہے۔ میں نے انہیں محبت کی پڑیا گھول کر پلا دی ہے اس لئے وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"اپنی محبت کی یہ پڑیا ہمارے خاندان کے لڑکوں کو پلانے کی کوشش مت کرنا۔" نیلم نے حقارت سے کہا۔ "یوں بھی تمہارا جادو ان پر نہیں چلے گا اور تم نے کسی کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تو تمہارا بوریا بستر گول کر دیا جائے گا۔"

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اور نہ میں نے کبھی ایسا سوچا ہے۔" سنگیت بولی۔ "آپ بے فکر رہیں' آپ کو شکایت نہ ہو گی۔"

"یہ بھی سن لو۔ ہمارے خاندان کے لڑکے ماسیوں پر نہیں مرتے۔" نیلم کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ "انگور کھٹے ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو آپ کو ڈر خوف کس بات کا ہے۔" سنگیت مسکرا دی۔ "آپ کے بھائی جان کے دو خط سونی بوا کے توسط سے آ چکے ہیں۔ میں نے انہیں پڑھے بغیر پھاڑ دیا۔ اس لئے کہ میں پڑھنا نہیں جانتی ہوں۔ اطلاعاً عرض ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو' میرے بھائی جان پر تہمت لگا رہی ہو۔" نیلم بھڑک اٹھی۔ اس کے سارے بدن میں خون کھولنے لگا۔ وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ "وہ تم جیسی ذلیل' کمینی کو خط لکھ ہی نہیں سکتے جو اپنے سفلی علم سے میرے تایا کے گھر والوں کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ اگر تم نے میرے بھائی پر آئندہ ایسا بے ہودہ الزام لگایا تو جوتے مار کر گھر سے نکال دوں گی۔ تمہارا کالا جادو پیلا کر دوں گی۔"

"جھوٹ کیا ہے' سچ کیا ہے۔ اپنے بھائی اور سونی بوا سے پوچھ لیں۔" سنگیت نے بڑے ضبط و تحمل سے کہا۔ "آپ کو گالیاں دینے اور اس طرح مجھے ذلیل کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ آپ اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔ اسے لگام دیں۔ آپ مہذب گھرانے کی فرد ہیں' اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہیں۔ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ کسی کو بلاوجہ گالیاں دیں۔ میں نے آپ کے بھائی کی اس حرکت کا تذکرہ کسی سے حتیٰ کہ نازنین سے بھی نہیں کیا۔

میں نے یہ بات اس لئے مجبوراً کہہ دی کہ آپ نے میری اہانت کی۔"

"تمہاری اوقات ہی کیا ہے؟" نیلم کو سنگیت کی باتیں کسی زہریلے کیڑے کے ڈنک کی طرح لگی تھیں۔ جلتی پر تیل گر گیا تھا۔ اسے نفرت اور غصے کی کیفیت میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ہیجانی لہجے میں چیختی ہوئی بولی۔ "تم یہاں آ کر اپنی اوقات بھول رہی ہو۔ تم نالی کا کیڑا ہو۔ دو ٹکے کی ماسی ہو۔ تم مجھ سے زبان درازی کر رہی ہو۔ تم........" اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

سنگیت کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ نیلم کے منہ پر دے مارا۔

نیلم بھونچکی سی ہو گئی۔ اس کا سارا بدن جھنجھنا اٹھا۔ وہ اور مشتعل ہو گئی۔ اس نے سنگیت کو تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ فضا میں بلند کیا تو سنگیت نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس کی گرفت اتنی سخت اور مضبوط تھی کہ وہ اپنی کلائی چھڑا نہ سکی۔

نازنین جو برآمدے میں کھڑی ان کی ساری باتیں سن رہی تھی وہ لپک کر ان کے پاس آئی۔ نازنین کو دیکھ کر سنگیت نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

نیلم، سنگیت کو چنگاریاں برساتی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی تو اس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ "ماسی کی بچی میں تجھے بخشوں گی نہیں۔"

"نیلم!" نازنین نے تیزی سے کہا۔ "تم نے باجی کے ساتھ بڑی نازیبا حرکت کی ہے۔ انہیں گالیاں دی ہیں۔ سب کے سامنے ان کی بے عزتی کی ہے۔ چلو ان سے معافی مانگو، دل صاف کرو اور اس معاملے کو یہیں رفع دفع کرو، پلیز!"

"میں اس سے معافی مانگوں؟" نیلم حقارت سے زمین پر تھوکتی ہوئی اپنا گال سہلانے لگی۔ اس کے گال پر چانٹے کی جلن ہو رہی تھی۔ وہ خشونت سے بولی۔ "یہ تم کہہ رہی ہو کہ میں اس ماسی سے معافی مانگوں؟ میں مر جاؤں گی لیکن اس سے معافی نہیں مانگوں گی۔"

"اچھی طرح سے سوچ لو۔" نازنین کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ "سنگیت باجی ماسی نہیں ہیں۔ وہ ہمارے گھر کی فرد ہیں۔ میری سگی باجی کی طرح ہیں۔ ابو کی چہیتی بیٹی ہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ تم نے انہیں غلیظ اور بے ہودہ قسم کی گالیاں دی ہیں تو صرف

تمہاری ہی نہیں بلکہ تمہارے ڈیڈی اور ممی کی بھی شامت آ جائے گی۔ کیا تم اپنے تایا ابو کے غصے اور ان کے مزاج سے واقف نہیں ہو؟"

"نازنین ٹھیک کہہ رہی ہے نیلم!" راحیل نے کہا۔ "تم بلاوجہ بہت جذباتی ہو گئیں۔ تمہیں ایسی نازیبا باتیں نہیں کہنا چاہئے تھیں۔"

"تمہاری طرف سے واقعی بڑی زیادتی ہوئی ہے۔" عالیہ بھی راحیل کی تائید میں بول پڑی۔ "تمہیں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا چاہئے تھا۔ اس غریب نے ایسی کوئی گری ہوئی بات نہیں کہی جس کا تم نے اتنا اثر لے لیا۔ اسے گالیاں دیں۔ اس کی تذلیل کی ہمارے سامنے۔"

"اس نے میرے بھائی پر جھوٹی تہمت لگائی ہے۔" نیلم بپھر کر بولی۔ "میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔ اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔"

"یہ بات جھوٹ نہیں سچ ہے۔" نازنین کو بھی غصہ آ گیا۔ "سونی بوا نے مجھ سے بھی کہا تھا۔ اب کیا تم اپنے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کو سارے خاندان والوں کے سامنے رسوا کرنا چاہتی ہو؟ تمہارے بھائی کا لڑکیوں کو خط لکھنے کا یہ پہلا واقعہ تو نہیں ہے۔"

"میں اس سے کسی قیمت پر معافی نہیں مانگوں گی۔" نیلم نے اکڑتے ہوئے کہا۔ "میرے بھائی کو خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔ وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔" نازنین نے تنک کر کہا۔ "کہو تو ابھی اور اسی وقت تمہارے بھائی جان کے کرتوتوں کا ثبوت پیش کر دوں۔"

"نازنین!" سنگیت نے اس کا بازو پکڑ کے اپنی طرف کھینچا۔ "چلو چھوڑو۔ بات آگے نہ بڑھاؤ۔ نیلم کے سر پر غصہ اور جنون سوار ہے تم جانتی ہو کہ غصے میں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ کسی کے کچھ کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ آئندہ انہوں نے اپنا رویہ نہ بدلا تو پھر سوچیں گے۔"

"میں ابو سے اس کی شکایت کروں گی تاکہ اس کی عقل ٹھکانے آ جائے۔ سنگیت باجی! آپ فکرمند اور پریشان نہ ہوں۔ میں اس سے خود نمٹ لوں گی۔ اس کے بھائی کے ایک محبت نامے کی فوٹو سٹیٹ میرے پاس ابھی تک رکھی ہوئی ہے۔ میں اس کی ایک

پاؤڈر کاپی بنا کر اسے فریم کر کے اسے اور اس کے بھائی کو تحفتاً پیش کر دوں گی۔" نازنین نے تیزی سے کہا۔

نیلم کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ نازنین سنگیت کو لے کر اپنے کمرے مین آ گئی۔ سنگیت کو بستر پر بٹھا کر وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر وہ سنگیت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی پشت تھپکاتی ہوئی بولی۔ "سنگیت باجی! آپ کے دل کو نیلم کی باتوں سے جو دکھ پہنچا ہے اس کی میں معافی چاہتی ہوں۔ معلوم نہیں اسے کس بات پر اتنا غرور اور گھمنڈ ہے۔ وہ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتی ہے۔"

"تم اس کی جگہ معافی کیوں مانگ رہی ہو؟" سنگیت نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔ اس لئے کہ وہ نادان ہے۔ شاید کوئی اسے میرے خلاف بھڑکاتا ہے اگر بالفرض محال کوئی میرے خلاف اس کے کانوں میں زہر بھرتا ہے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کیونکہ آپ کی محبت میرے لئے سب کچھ ہے۔"

"آپ نے اس کے منہ پر طمانچہ مار کر اس کے ہوش و حواس درست کر دیئے۔ آپ نے اسے بہت اچھا سبق دیا۔" نازنین بولی۔

"اس نے مجھے جو گالیاں دیں میں سن کر برداشت نہ کر سکی۔" سنگیت نے کہا۔

"اس نے اپنی عزت خود گنوا دی۔"

"اب خاندان کی کسی لڑکی یا لڑکے کو آپ کی ہتک کرنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو گی۔"

"معلوم نہیں کیوں دوسروں کو میرے یہاں رہنے پر اعتراض ہے جبکہ میں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں۔" وہ اداسی سے بولی۔

"باجی! ان باتوں کو دل سے نکال دیں۔" نازنین بولی۔ "ہم دونوں آج شام لانچ پر سیر و تفریح کے لئے چلتے ہیں۔ آج چاندانی رات بھی ہے۔"

"لانچ.........؟" سنگیت نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "ہم کہاں جائیں گی؟ کون لے جائے گا؟"

"ابو نے ایک لانچ خریدی ہوئی ہے۔ نئی اور جدید ترین ہے۔ ہر قسم کی سہولتوں سے آراستہ ہے۔ ہم لوگ کبھی کبھی خصوصاً چاندنی راتوں میں اس لانچ پر جا کر پکنک مناتے ہیں۔ دوسرے دن سہ پہر کے وقت لوٹ آتے ہیں۔ اس میں چار بیڈ رومز، لاؤنج، ڈرائنگ اور ڈائننگ روم، امریکن کچن، ٹیلی وژن وغیرہ سب کچھ ہے۔ مجھے لانچ چلانا آتی ہے۔"

☆======☆======☆

نازنین نے گھر سے نکلنے سے پہلے لانچ کے چوکیدار کو ٹیلی فون کر دیا تھا۔ وہ ڈاک پر لانچ لئے موجود تھا۔ نازنین نے اس کے ہاتھ سے چابیاں لے لیں۔ پھر وہ دونوں لانچ کے عرشے پر آ گئیں۔ چوکیدار نے تختہ ہٹا لیا۔ نازنین نے روانگی سے پہلے سنگیت کو اندر سے لانچ دکھائی۔ سنگیت مبہوت سی ہو کر دیکھتی رہی۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ لانچیں بھی اس قدر شاندار اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ وہ بہت دیر تک سحرزدہ سی کھڑی ایک ایک چیز کو دیکھتی اور اس کی دل میں تعریف کرتی رہی تھی۔ نازنین نے اندر جانے کا جو زینہ تھا وہاں ایک دروازہ تھا اسے مقفل کیا۔ پھر وہ سنگیت کو لے کر کاک پٹ میں آ گئی۔ پھر اس نے لانچ کا انجن سٹارٹ کیا۔ پھر اس کا وہیل گھماتی ہوئی اسے لے کر پانیوں کے بیچ بڑھی۔ لانچ سبک خرامی سے چل پڑی۔ دریا میں چھوٹی بڑی مسافر اور مال بردار کشتیاں اور سٹیمرز آ جا رہے تھے۔

☆======☆======☆

ان دونوں بدمعاشوں نے ایک بہت بڑی موٹر بوٹ کرائے پر لے لی۔ وہ ان کی لانچ کے تعاقب میں چل پڑے تھے۔

جس وقت ان کی بوٹ لانچ کی طرف بڑھ رہی تھی تب چاند بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ لانچ سے کچھ فاصلے پر ساجن نے موٹر بوٹ کا انجن بند کر دیا۔ پھر وہ چپو چلاتے ہوئے لانچ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے چاندنی میں دیکھ لیا تھا۔ عرشہ اور کاک پٹ میں کوئی نہیں تھا۔ جیسے ہی چاند بادلوں کی اوٹ میں آیا اور گھپ اندھیرا چھا گیا تب وہ بوٹ لے کر لانچ کے پاس پہنچے۔ جہاں لانچ کی سیڑھی لٹک رہی تھی اس سے موٹر بوٹ کی رسی

باندھ دی۔ پھر وہ دونوں بندروں کی طرح عرشے پر سیڑھی کے ذریعے چڑھ کر پہنچ گئے۔

جب وہ دونوں زینے کے پاس پہنچ کر رکے تو نازنین اور سنگیت کی باتوں کی آواز سنائی دی۔ نازنین کہہ رہی تھی۔

"باجی! آپ نے کیا شاندار کافی بنائی .... میرا خیال ہے کہ اس کا دوسرا دور ہونا چاہیے۔"

"اس کا دوسرا دور ہمارے ہاں ہو گا۔" لال میاں نے ان دونوں کو پستول کی زد میں لیتے ہوئے کہا۔ "ہم باجی کے ہاتھوں کی بنی ہوئی کافی پئیں گے..........." اس کے پیچھے پیچھے ساجن بھی پستول لئے ہوئے تھا۔

وہ دونوں انہیں دیکھ کر خائف اور سراسیمہ سی ہو گئیں۔ سنگیت نے حوصلہ مجتمع کر کے پوچھا۔ "کون ہو تم لوگ؟"

چشم زدن میں لال میاں اور ساجن نے آگے بڑھ کر کلورو فارم میں بھیگے ہوئے رومال ان کے منہ پر رکھ دیئے۔

نازنین اور سنگیت نے فوراً ہی ان بدمعاشوں کے ہاتھوں سے رومال چھین کر کھڑکی سے باہر پھینک دیئے۔ ان دونوں نے رومال پوری طرح رکھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ جب وہ اپنی جیب سے رومال نکال کر ان کی طرف بڑھے تو دونوں سمجھ گئی تھیں کہ وہ انہیں بے ہوش کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے مناظر وہ فلموں میں بھی دیکھ چکی تھیں۔ وہ دونوں بدمعاش ان کی حرکت پر ششدر سے ہو گئے۔ انہیں اندازہ نہ تھا کہ یہ دونوں لڑکیاں اس قدر تیز' گھری اور ہوشیار قسم کی ہیں۔ انہیں آج تک ایسی لڑکیوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ پہلی بار ان کی کوشش ناکام ہوئی تھی اور ان دونوں لڑکیوں نے ان کی مشکل میں اضافہ کر دیا تھا۔

ان دونوں بدمعاشوں نے خطرے کی بو محسوس کرتے ہوئے انہیں فوراً ہی پستولوں کی زد میں لے لیا۔ لال میاں نے پستول کی نال سنگیت کی کھوپڑی کی طرف کرتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ "تم دونوں عرشے پر چلو اور ہاں چالاکی نہ دکھانا۔"

"ت .... تت .... تم کون ہو۔" نازنین ہکلائی۔ اس کی آواز گلے میں اٹک

رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا کہہ نہ سکی۔

"پہلے تم دونوں اوپر چلو۔ پھر ہم بتاتے ہیں کہ ہم لوگ کون ہیں۔" ساجن نے کہا۔

"اوپر چل کر تعارف کی رسم ادا کی جائے گی۔"

"تم دونوں کو رقم' چوڑیاں اور گھڑیاں چاہئیں تو لے لو۔" نازنین نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ وہ بہ دقت بول سکی تھی۔

"پارکنگ پر بالکل نئی ٹویوٹا کرولا گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔" سنگیت نے کہا۔ "تم وہ گاڑی بھی لے جا سکتے ہو۔"

"نہ ہمیں گاڑی کی ضرورت ہے اور نہ ہی ان چیزوں کی۔" لال میاں نے سنگیت کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر اس کے ہونٹوں پر مکروہ ہنسی پھیل گئی۔ "ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ کمی ہے تو ایسے چاند سے چہروں کی .... ہمیں تم دونوں کی ضرورت ہے۔ ایسے چاند سے ٹکڑے کہاں ملتے ہیں۔"

سنگیت نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔ اس لئے اس نے چپ سادھ لی لیکن اس کا ذہن تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ نازنین نے اس بدمعاش کی باتیں سنیں تو اس پر بجلی سی آ گری۔ اسے ایسے لگا کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے گی۔ کیونکہ کبھی اسے ایسے سنگین اور بدترین لمحے سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس کی رگوں میں خون سرد ہونے لگا۔ سردی صرف باہر ہی نہیں تھی بلکہ اس کے اندر بھی سردی کی لہر اٹھی تھی اور جیسے اس کا سارا بدن بھیگ گیا۔ یکایک اس کا سر چکرانے لگا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنی گردن پر سنگیت کی سانسیں محسوس کیں۔ "نازنین! اپنے آپ کو سنبھالو۔"

جب سنگیت نے ان دونوں مسلح بدمعاشوں کو اچانک سامنے دیکھا اور وہ رومال لے کر بڑھے تھے تو وہ بدحواس ہو گئی تھی۔ اس نے اور نازنین نے رومال چھین کر پھینک دیئے تھے مگر وہ خود بھی بدحواس ہو گئی تھی۔ اسے سنبھلنے کے لئے تھوڑی سی مہلت درکار تھی۔ نازنین اور اس بدمعاش کی گفتگو سے اسے مہلت مل گئی تھی۔ وہ اس لمحے بڑی

تیزی سے سوچ رہی تھی کہ ان دونوں بدمعاشوں سے کس تدبیر سے نجات پائی جا سکتی ہے۔ ایسے مناظر اس نے فلموں میں دیکھے تھے جن میں لڑکیاں بدمعاشوں سے نجات پاتی تھیں لیکن یہ صورت حال فلموں کے مناظر سے قدرے مختلف تھی۔ وہ دونوں بدمعاش مسلح تھے اور یہاں ایسی کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ فائدہ اٹھا سکے۔ اس نے سوچا۔ بس ذرا سکون، حوصلے، حسن تدبیر اور ہمت کو مجتمع کرنے کی ضرورت ہے۔

سنگیت نے نازنین کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ لاش کی طرح سفید پڑ گیا تھا۔ سنگیت نے اس بدمعاش کی طرف دیکھا جس نے ریوالور کی نال نازنین کی گردن پر رکھ دی تھی اور پستول پر اس کی بڑی مضبوط گرفت تھی۔ اس کی انگلی لبلبی پر تھی۔

نازنین نے حوصلہ کر کے اسے مخاطب کیا تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔ "مسٹر! ہم شریف لڑکیاں ہیں۔"

"شریف لڑکیاں...........؟" اس نے ایک بھونڈا سا قہقہہ لگایا۔ پھر وہ طنز بھرے لہجے میں بولا۔ "شریف لڑکیاں اس طرح گھروں سے نہیں نکلتی ہیں۔ ان کے ساتھ مرد ہوتے ہیں۔ وہ اس طرح مٹر گشت نہیں کرتی ہیں۔ دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتی ہیں۔"

"تمہیں شاید شریف اور آوارہ لڑکیوں میں تمیز نہیں ہے۔" سنگیت کو غصہ آ گیا۔ "ہم یہاں سیر کرنے آئی ہیں۔"

"تم کچھ بھی کہہ لو۔" لال میاں نے سفاک لہجے میں کہا۔ "تم دونوں شریف ہو یا بدچلن، ہمارے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے لئے خوشی کی یہ بات ہے کہ تم دونوں ہی بہت حسین اور پُرکشش ہو۔"

"ایک اور بات بھی تو ہے جو تمہاری کھوپڑی میں نہیں آئی ہے شاید!" سنگیت نے لال میاں سے حوصلہ کر کے تند لہجے میں کہا۔

"وہ کیا..........؟" لال میاں کے لہجے سے اس کا اشتیاق نمایاں تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرائی۔

"وہ یہ کہ ہم تمہارے لئے موت کا فرشتہ بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔ جس طرح آئے ہو اسی طرح لوٹ جاؤ۔" سنگیت نے خشونت سے کہا۔

"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہم ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈر جائیں گے بے بی!" اس نے قطعی طور پر انکار میں سر ہلایا۔ "خوبصورت لڑکیاں ایسی ہی خوبصورت دھمکیاں دیتی ہیں۔ ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسی لڑکیوں سے نمٹنے میں بڑا لطف آتا ہے۔"

"تمہیں جتنی رقم کی ضرورت ہے ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ خدا کے لئے ہمیں اپنے گھر جانے دو۔" نازنین گڑگڑائی۔

"میں تم سے کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ تم دونوں صاف طور پر یہ سن اور سمجھ لو کہ ہمارے مطالبات کچھ اور ہیں۔" لال میاں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "ہمیں چارہ نہ ڈالو۔ ہم شکار نہیں شکاری ہیں۔ ہمارے پاس بھی دولت کی فراوانی ہے۔"

"تم دونوں ایک بات کان کھول کر سن لو۔" سنگیت نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ "تم نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا تو قانون کے ہاتھوں بچ نہ سکو گے۔"

"ہمارے ہتھے اب تک جو لڑکیاں چڑھی ہیں وہ ہمارے ہاتھ سے بچ نہ سکیں اور نہ قانون ہمارا کچھ بگاڑ سکا۔ تم جیسی کتنی حسین اور جوان لڑکیاں اس طرح کی دھمکیاں دے کر چلی گئیں۔ بزدل اور کمزور لڑکیاں ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکیں۔"

"تم کچھ بھی کہہ لو۔" سنگیت نے کہا۔ "ہم مر جائیں گی لیکن اپنے آپ پر آنچ آنے نہیں دیں گی۔ تم ہمیں گولی مار دو۔"

"ہم بے وقوف نہیں ہیں جو تمہیں گولی مار دیں گے۔" ساجن کہنے لگا۔ "تم دونوں کو ہمارے ساتھ ہر قیمت پر چلنا ہو گا۔ صرف ہم دونوں تمہیں لے جانے نہیں آئے ہیں۔ تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا ہے تو اس کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھو۔ تمہیں ایک موٹر بوٹ دکھائی دے گی جس میں ہمارے تین اور مسلح ساتھی موجود ہیں، وہ ریوالوروں اور چاقوؤں سے مسلح ہیں۔ اگر تم دونوں تھوڑی سی معاملہ فہمی کا ثبوت دو تو تشدد اور حیوانیت کے سلوک سے بچ جاؤ گی۔ زندہ رہنے کی خواہش ہے تو جذبات کے بجائے عقل سے کام لو۔ ہم تم دونوں کو تین دن سے زیادہ مہمان بنا کر نہیں رکھیں گے۔ تمہارے تعاون سے ہماری طرف سے جانوں کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو گا۔ تم دونوں کو اس بنیادی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ جیت بالآخر ہماری ہو گی۔ اپنی ضد سے سوائے پریشانیوں کے کچھ حاصل

نہ ہو گا۔ اگر تم دونوں نے کوئی چالاکی دکھانے کی حماقت کی تو پھر تم دونوں موت سے بچ نہ سکو گی۔"

نازنین اور سنگیت نے کچن کی کھڑکیوں سے باہر جھانکا۔ انہیں فاصلے پر ایک موٹر بوٹ دکھائی دی۔ چونکہ اس وقت بادلوں نے چاند کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا اور اندھیرا چھا گیا تھا اس لئے اندازہ نہ ہو سکا کہ بوٹ میں کتنے لوگ سوار ہیں۔ دہشت سے ان کا بدن لرزنے لگا۔ سنگیت نے سوچا تھا کہ یہ دو بدمعاش ہیں' وہ ان سے کسی نہ کسی طرح نمٹ لے گی۔ نازنین بھی اس کی مدد کے لئے موجود تھی۔ ان کے ساتھیوں کی تعداد سن کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

پھر ان دونوں کو ان بدمعاشوں کی ہر بات ماننا پڑی۔ وہ عرشہ پر آئیں۔ پھر عرشہ سے سیڑھی سے اتر کے موٹر بوٹ میں سوار ہو گئیں۔ کنارہ لانچ سے تھوڑے سے فاصلے پر تھا۔ کنارے پر اتر کے ان کے ساتھ چل پڑیں۔ چاروں طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ اس وقت زہر لگ رہی تھی۔ دس منٹ کی مسافت کے بعد درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان بنے ہوئے وہ ایک بنگلے پر پہنچیں۔ جس وقت لال میاں نے دروازے پر تالا لگا ہوا نہ دیکھ کر دروازے پر دستک دی۔ نازنین کو غش سا آ گیا تھا۔ سنگیت نے اسے جھنجھوڑ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "نازنین! حوصلہ نہ ہارو۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ ہماری مدد کرے گا۔"

سنگیت نے اندر داخل ہو کر صرف ایک بدمعاش کو دیکھا تو اسے اندھیرے میں امید کی کرن دکھائی دی۔ اس کے اندر حوصلہ سا پیدا ہوا۔ لال میاں نے اس بدمعاش کو دیکھتے ہی کہا۔ "ابول! تم یہاں ہو۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے ہوٹل پر..........."

"میں گہری نیند سو گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تو بیدار ہوا ہوں۔ یہ ہیرے کہاں سے مل گئے۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"ہم تمہیں بعد میں بتاتے ہیں۔" ساجن نے کہا۔ "پہلے انہیں لے جا کر آرام سے بٹھانے تو دو۔ ہم نے ہمیشہ اونچا ہاتھ مارا ہے۔"

وہ انہیں اندر لے کر داخل ہوئے۔ ایک دو کمروں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے

میں پہنچے۔ سنگیت نازنین کو سہارا دیئے ہوئے تھی۔ نازنین کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔ اس سے ایک ایک قدم چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ چند قدم میلوں کی مسافت بن گئے تھے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا اس کے جسم میں لہو کی ایک بوند بھی نہیں رہی تھی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

لال میاں نے کمرے میں پہنچ کر سوئچ آن کیا تو کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ پھر اس نے اور سوئچ بھی ایک ایک کر کے آن کئے تو کمرے میں دن جیسا اجالا پھیل گیا۔ سنگیت نے اسے سہارا دے کر پلنگ پر بٹھا دیا۔ پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ کشادہ خواب گاہ تھی اور نہایت آراستہ و پیراستہ تھی۔ معاً اس کی نظر کونے میں رکھی ہوئی ہاکی پر پڑی تو اس کے من میں خوشی کی لہر اٹھی۔ پانی میں ڈوبنے والے کے لئے تنکے کے سہارے کی طرح یہ ہاکی تھی۔ وہ اس سے چند قدموں پر تھی لیکن ہاکی کو اٹھانا آسان اور ممکن نہ تھا۔ کیونکہ وہ تینوں بدمعاش راستے میں حائل تھے۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے ایسی تدبیر سوچ رہا تھا کہ ہاکی اس کے قبضے میں آ جائے۔

وہ تینوں ان دونوں کا تنقیدی نظروں سے اس طرح سے جائزہ لے رہے تھے جیسے قربانی کے جانور کا لیا جاتا ہے۔ ان کے ہونٹوں پر ایک مغرور سی مسکراہٹ تھی جیسے ایک شکاری ایک شکار کو جال میں آتا دیکھ کر مسکراتا ہے۔ سنگیت کو ان کی مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی اور ان کی آنکھوں میں جو وحشیانہ پن تھا۔ وہ اسے خائف کئے دے رہا تھا لیکن اس نے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔

لال میاں نے سنگیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابول سے کہا۔ "کیوں..........؟ یہ لاکھوں میں ایک ہے نا؟ ایک دم لاجواب۔"

"میں نے اپنی زندگی میں شاید ہی ایسی ناگن دیکھی ہو۔" ابول نے سرشاری سے کہا۔ "آج تو ہم لوگوں کی قسمت جاگ اٹھی ہے۔"

"ابول!" ساجن نے اس سے کہا۔ "تم کالو میاں کے ہاں جا کر اس سے چھ بوتلیں وہسکی اور سوڈے کی لے آؤ۔"

"چھ بوتلیں..........؟" ابول نے متعجب نظروں سے ساجن کی طرف دیکھا۔ "تم

ہوش میں تو ہو؟ یہ تو سات آٹھ دن کا راشن ہوا۔"

"ان دونوں کو چھ سات دن مہمان رکھنا ہے۔" ساجن نے بٹوے میں سے ہزار ہزار ٹاکا کے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ "لپک کے جاؤ۔"

ابول اس کے ہاتھ سے نوٹ لیتے ہوئے بولا۔ "یہ ہوئی نا بات .... لیکن مجھے واپسی میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔"

"دو گھنٹے بھی لگ جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ تم جاؤ۔" لال میاں نے کہا۔

ابول رقم جیب میں رکھتا ہوا اسی وقت کمرے سے نکل گیا۔ چند ثانیوں کے بعد لال میاں نے سنگیت سے کہا۔ "تم میرے ساتھ دوسرے کمرے میں چلو۔ اس کمرے میں آپ کی سہیلی، بہن جو بھی ہے وہ یہاں رہے گی۔"

"باجی!" نازنین چونک پڑی۔ اس نے سنگیت کا ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ بٹھا لیا۔

"آپ نہ جائیں مجھے اس درندے کے پاس نہ چھوڑیں۔"

"ان کی بات ماننے کے سوا چارہ بھی نہیں ہے۔ ہم ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ مجھے جانے دو نازنین!" سنگیت نے بے بسی سے کہا۔

"نہیں .... نہیں........." نازنین اس سے بری طرح لپٹ گئی۔ پھر وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ "باجی! خدا کے لئے مجھے اس کمرے میں نہ چھوڑ کر جائیں .... باجی پلیز!" وہ گڑگڑائی۔ "جانا ہی ہے تو اپنے ہاتھوں سے میرا گلا دبا کر چلی جائیں۔"

ساجن نے نازنین کو سنگیت سے کھینچ کر الگ کیا تو نازنین نے غصے میں آ کر اس کا منہ نوچنا شروع کیا اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔ ساجن نے مشتعل ہو کر نازنین کو بڑے زور سے دھکا دے کر بستر پر گرا دیا۔ پھر اس نے فوراً ہی جیب سے چاقو نکال لیا۔ وہ اسے کھول کر لہرانے لگا۔ لال میاں بھی نازنین کو قابو کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ سنگیت نے ایک پل بھی ضائع نہیں کیا۔ لال میاں نے اپنا پستول جیب سے نکال لیا تھا۔ سنگیت نے کسی بلی کی طرح اس کے ہاتھ پر پنجہ مارا اور اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا اور ایک زوردار ٹھوکر اس کی پسلیوں میں دے ماری۔ سنگیت کی جوتی کی نوک کسی خنجر کی طرح لال میاں کے پیٹ میں چبھی تو وہ درد سے تڑپ گیا۔ درد کی شدت سے دہرا ہو کر اس

نے متاثرہ حصے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس سے پہلے کہ ساجن اس کی طرف گھومتا اس نے پستول کو ساجن کے سر کا نشانہ لے کر اس پر کھینچ مارا وہ کسی لٹو کی طرح گھوم گیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ اس کے سر کے زخم سے خون کی دھار نکل کر چہرے پر پھیلنے لگی۔

سنگیت نے انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور نہ ایک لمحہ بھی ضائع کیا۔ اس نے لپک کر ہاکی اٹھا لی اور ساجن کے سر پر جا پہنچی۔ پھر اس نے پے در پے تین چار مرتبہ پوری قوت سے اس کے ہاتھ اور پیروں پر ہاکی سے ضربیں لگائیں تو وہ درد کی تاب نہ لا کر چیخنے اور تڑپنے لگا۔ اس سے پہلے کہ لال میاں سنبھلتا اس کی بھی خبر لے لی۔ ان دونوں کی دلخراش چیخوں سے کمرہ گونج رہا تھا اور وہ اس سے رحم کی بھیک مانگ رہے تھے لیکن سنگیت پر تو جیسے جنون سوار ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی بے رحمی سے ان دونوں کے ہاتھ پیروں کی اور جسم کی ہڈیاں توڑ ڈالیں۔ جب اس نے دیکھا کہ دونوں اس قابل نہیں رہے کہ اپنی جگہ سے ہل سکیں تو اس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ وہ دونوں لہولہان ہو چکے تھے۔ اب اٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ اس نے ان تمام معصوم لڑکیوں کا بدلہ لے لیا تھا جن کی زندگیاں ان اوباشوں نے برباد کی تھیں۔

نازنین نے یہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھا۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ یہ سب کچھ اسے ایک معجزے کی طرح لگا۔ ان بدمعاشوں کے ہتھے چڑھ جانے کے بعد اسے اپنی عزت بچانا ناممکن سا لگا۔ سنگیت کی جرأت، بہادری اور حاضر دماغی نے اسے بچا لیا تھا۔ پھر اسے انگریزی اور بنگالی اور ہندوستان کی ایکشن فلمیں یاد آ گئیں۔ سنگیت نے بھی کسی فلم کی ہیروئین کی طرح یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ دونوں بدمعاش درد کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو چکے تھے۔ سنگیت نے آگے بڑھ کا نازنین کا ہاتھ پکڑا جو کسی ہرنی کی طرح سہمی ہوئی سی کھڑی تھی۔ اس کا ہاتھ برف کی طرح یخ ہو رہا تھا۔ پھر وہ اسے ساتھ لے کر کنارے کی طرف بڑھی۔ نازنین نہ صرف ابھی تک دہشت زدہ بلکہ حواس باختہ تھی۔ اس کے دل میں ہیبت بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ بدمعاش ان کے تعاقب میں آنے والے ہوں۔

ان بدمعاشوں کی موٹر بوٹ موجود تھی۔ وہ دونوں اس میں سوار ہوئیں تو سنگیت نے نازنین سے پوچھا کہ اسے کس طرح چلایا اور سٹارٹ کیا جاتا ہے۔ نازنین نے اس موٹر بوٹ کے انجن کی ڈوری کھینچ کر اسے سٹارٹ کیا اور بتایا کہ کس طرح چلایا جاتا ہے۔ نازنین کی کیفیت ہیجانی سی تھی۔ وہ موٹر بوٹ چلا نہیں سکتی تھی۔ سنگیت نے بڑی احتیاط اور سنبھل سنبھل کر چلائی۔ لانچ چونکہ زیادہ دور نہیں تھی اس لئے وہ دس منٹ میں پہنچ گئیں۔ سنگیت نے اسے سہارا دے کر لانچ پر چڑھایا۔

کاک پٹ میں پہنچ کر نازنین نے اس کا انجن سٹارٹ کیا اور سٹیئرنگ وہیل سنبھالا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کے اعصاب ابھی تک قابو میں نہیں آئے تھے۔ اس نے اس واقعہ کا بڑا گہرا اثر لیا تھا۔ ابھی تک اس کی سانسیں بھی قابو میں نہیں آئی تھیں۔

سنگیت نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”نازنین! اب گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے انہیں بڑی اذیت ناک سزا دی ہے۔ ایک تو انہیں تین دن تک ہوش نہیں آئے گا اور پھر میں نے انہیں چار پانچ برس تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ساری زندگی اپاہج اور معذور رہیں۔ اب وہ کسی لڑکی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکیں گے۔“

”باجی! آپ نہ ہوتیں تو عزت کا بچنا ناممکن تھا۔ آپ نے اپنی جان پر کھیل کر میری عزت بچائی۔ خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں ساری زندگی اپنے آپ کو معاف نہ کرتی۔ میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی بھلا نہ سکوں گی۔“ اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں نم ناک ہوگئیں۔

”ہماری عزت تو اللہ پاک نے بچائی ہے اور شاید ہماری کوئی نیکی کام آ گئی۔“ سنگیت بولی۔ ”اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ میں تو تمہارے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا سکتی ہوں۔ کیا تم میری بہن نہیں ہو؟“

”ایسا لگتا ہے کہ آپ جوڈو کراٹے جانتی ہیں۔“ نازنین نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ ”آپ کا اس بدمعاش کے ہاتھ سے چشم زدن میں پستول چھین لینا اور اس کی پسلیوں میں فلائنگ کک لگانا........ ایک جوڈو کراٹے کا ماہر ہی ایسا کر سکتا ہے۔“

”میں جوڈو کراٹے بالکل نہیں جانتی ہوں۔“ سنگیت کہنے لگی۔ ”میں ایک پروفیسر صاحب کے ہاں ملازمت کرتی تھی۔ ان کی تین نوجوان اور بہت حسین لڑکیاں تھیں۔ ایک بار ان کی لڑکی ایک درندہ صفت ہم جماعت لڑکے کے ہتھے چڑھ گئی لیکن وہ مشکل سے اپنی عزت اور جان بچا سکی۔ پھر ایک عورت کی خدمات ان لڑکیوں نے حاصل کیں۔ وہ جوڈو کراٹے تو نہیں جانتی تھی لیکن اسے ایسے طریقے آتے تھے جن سے عورت عزت بچا سکے۔ وہ روز آ کر انہیں تربیت دینے لگی۔ لڑکیوں کی ماں نے مجھ سے بھی کہا کہ میں سیکھ لوں۔ یہ تربیت تمہارے کام بھی آئے گی۔ میں نے بھی تربیت حاصل کر لی۔ پھر ایکشن فلموں سے بھی سیکھا جو لڑکیاں دیکھتی تھیں۔ وہ وی سی آر پر بھی جوڈو کراٹے کی فلمیں دیکھتی تھیں۔ میں نے ان سب سے حاصل کیا۔ یہ میرے بہت کام آیا۔ میں بھی دو ایک مرتبہ سنسان راستوں اور گلیوں میں درندوں کے نرغے میں آئی تھی۔ اللہ نے میری عزت محفوظ رکھی۔ میں نے کچھ مردوں کو ایسا سبق دیا کہ وہ آئندہ کسی لڑکی کی عزت پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔ اس کے لئے حوصلے‘ بہادری اور ذہانت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔“

”آپ نے ان دونوں بدمعاشوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس کے مستحق تھے۔ آپ نے ان کا جو حشر کیا وہ ساری زندگی نہیں بھولیں گے۔ کاش! وہ تیسرا بدمعاش بھی ہوتا۔ وہ شراب لانے نکل گیا اس وجہ سے بچ گیا۔ اسے بھی عبرتناک سزا مل جاتی تو اچھا تھا۔“ نازنین بولی۔

”میں نے قانون کے خیال سے انہیں موت کے گھاٹ نہیں اتارا۔“ سنگیت کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ ”میرا جی چاہ رہا تھا کہ ان کے پستول کی ساری گولیاں ان دونوں خبیثوں کے جسموں میں اتار دوں۔ میں نے اس لئے ان دونوں کے ہاتھ پیر اور جسم کی ہڈیاں توڑ دیں کہ انہیں عبرتناک سزا ملے۔ انہوں نے کتنی ہی معصوم لڑکیوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بنایا۔ اس کے باوجود وہ آزادی سے دندناتے پھر رہے ہیں میں انہیں چھوڑ دیتی تو نہ جانے وہ کتنی اور معصوم لڑکیوں کی عزت و ناموس کی دھجیاں اڑا دیتے۔ ان کا تیسرا ساتھی بچ گیا اس کا مجھے افسوس ہے۔“

”اگر میرے ہاتھ پستول لگتا تو میں شاید ان دونوں کو قتل کر دیتی۔“ نازنین نے

حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ "ویسے سنگیت باجی! میں نے تو حوصلہ ہار دیا تھا اور دل میں موت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس پروردگار عالم نے ہماری عزت محفوظ رکھی۔"

"ایک بات اچھی طرح یاد رکھو نازنین!" سنگیت بولی۔ "خدانخواستہ پھر کبھی ایسا برا وقت آن پڑے تو اپنا حوصلہ برقرار رکھنا۔ خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنا۔ اس وقت کوئی تدبیر سوچنا' اللہ سے مدد مانگنا۔ پھر بچاؤ کی صورتیں نکل آتی ہیں۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ میں بھی جوڈو کراٹے سیکھ لوں۔ ایسے کٹھن وقت میں اپنی عزت اور زندگی کا بچاؤ کر سکوں۔" نازنین بولی۔

"ضرور سیکھ لو .... سیکھنے میں کیا حرج ہے۔" سنگیت نے کہا۔ "میں ایک بات بڑی سنجیدگی سے سوچ رہی ہوں کہ ہم نے بڑی غلطی کی جو ایسے مقام پر تنہا گئیں۔ جوان لڑکیوں کو احتیاط کرنا چاہئے۔ دن ڈوبنے کے بعد گھر سے اکیلے اور بغیر مرد کے نکلنا نہیں چاہئے۔"

"ہاں باجی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" نازنین نے تائیدی انداز میں کہا۔ "ایک روز میں رات نو بجے اپنی ایک سہیلی کے ہاں سے آ رہی تھی کہ آوارہ لڑکوں نے جو ایک گاڑی میں سوار تھے' انہوں نے میرا تعاقب کیا اور میری گاڑی کو روکنے کی کوشش کی۔ میں کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل آئی۔ آپ نے ٹھیک کہا۔ کوئی مرد ساتھ ہو تو سہارا ہوتا ہے۔ چاہے وہ مرد بوڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر کسی مردود کی ہمت نہیں ہوتی ہے کہ وہ میلی نظر سے دیکھے' تعاقب کرے۔"

"اس واقعے کا گھر میں کسی سے ذکر نہیں کرنا۔" سنگیت نے کہا۔ "ثمرین بھابی یا اپنی کسی سہیلی کو بھی نہیں بتانا۔ اسے راز ہی رکھنا۔"

"مگر باجی! کل کے تمام اخبارات میں اس واقعے کی خبر چھپ جائے گی۔" نازنین نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ "اگر اخبارات میں یہ خبر چھپ گئی اور ہم دونوں کا ذکر بھی آ گیا تو پھر ہم دونوں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

"ان درندوں کو کیا معلوم کہ ہم کون تھیں۔" سنگیت مسکرائی۔ "انہیں ہمارے نام بھی تو نہیں معلوم اور نہ ہم نے بتایا تھا۔"

"وہ پولیس کو ہمارا حلیہ تو بتا سکتے ہیں۔" نازنین نے کہا۔ "لانچ کا نام اور گاڑی کا نمبر بتا دیں گے تو ہماری شامت آ جائے گی۔"

"ہمارے حلیے کی ایک ہزار ایک لڑکیاں اس شہر میں ہوں گی۔" سنگیت اسے دلاسا دینے لگی۔ "رہی لانچ کے نام کی بات' تمہاری لانچ پر کوئی نام نہیں لکھا ہوا۔ بالفرض ہوتا بھی تو شاید انہوں نے دیکھا نہیں ہو گا۔ کیونکہ ان کا سارا دھیان ہماری جانب تھا۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے گاڑی کا نمبر نوٹ نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی نظریں ہماری گاڑی پر نہیں تھیں۔ انہوں نے نوٹ بھی کیا ہو گا تو وہ بھول گئے ہوں گے۔ انہیں یاد آ نہیں سکتا۔ انہیں تو ہوش میں آنے کے بعد چھٹی کا دودھ یاد آئے گا۔"

"اف! کیا روح فرسا واقعہ تھا۔" نازنین کے بدن میں جھرجھری سی آ گئی اور اس کے حسین چہرے پر زردی سی چھا گئی۔ "باجی! خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو کس قدر ذلت و رسوائی ہوتی۔ ہم نہ صرف کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتیں بلکہ ہمارے خاندان کی عزت بھی ملیامیٹ ہو جاتی۔ ہمارے خاندان کی لڑکیاں اور لڑکے ہمارا جینا حرام کر دیتے۔ میں تو خودکشی کر لیتی۔"

"تم سچ کہتی ہو۔" سنگیت نے کہا۔ "ہم جیتے جی مر جاتیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہماری لاج رکھی۔ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے۔ اس واقعے کو ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جانے کی کوشش کرو۔"

وہ دونوں گھر پہنچیں تو نشست گاہ میں سعید کبیر' نیلم کی والدہ زیب النساء اور والد شوکت علی بھی موجود تھے۔ وہ محمد علی خوندکر اور بیگم رشیدہ بانو سے باتیں کر رہے تھے۔ ان دونوں نے سب کو سلام کیا۔ بیگم رشیدہ بانو اپنی بیٹی کی شکل دیکھ کر چونک پڑیں۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ یہ تمہارا چہرہ دھلی چادروں کی طرح سفید کیوں ہو رہا ہے؟"

"بات یہ ہے امی جان!" سنگیت فوراً بول اٹھی۔ "ہماری گاڑی کا ایک بہت ہی تیز رفتار ٹرک سے اوور ٹیک کرتے ہوئے خوفناک قسم کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوئے رہ گیا۔ اللہ نے بڑا کرم کیا۔ اس نے ہمیں بہت بڑے حادثے سے بال بال بچا لیا۔"

"کل صدقہ دے دینا۔" بیگم رشیدہ نے نازنین کو ٹوکا۔ "تم گاڑی بہت رف چلاتی ہو۔ کیا ضرورت تھی تمہیں اوورٹیک کرنے کی۔"

"اچھا تم دونوں ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔" محمد علی خوندکر نے ان دونوں سے کہا۔ وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئیں تو انہوں نے سنگیت سے پوچھا۔ "بیٹی! نیلم نے تمہارے خلاف شکایت کی ہے کہ تم نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا ہے۔"

"جی ابو!" سنگیت نے اپنی نگاہیں نیچی کر کے جواب دیا۔ "دراصل نیلم نے میرے بارے میں ایسی بات کہی تھی کہ میں برداشت نہ کر سکی۔"

"معاملہ تو اسی وقت رفع دفع ہو گیا تھا۔" نازنین نے حیرت سے کہا۔ "اس بات کو اب کیوں اور کس لئے اٹھایا جا رہا ہے؟"

"اس لڑکی کی یہ مجال کہ وہ میری پھول سی بچی پر ہاتھ اٹھائے۔" زیب النساء بگڑ گئیں۔ "یہ آخر اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے؟"

"اس سارے فساد کی جڑ نیلم ہے آنٹی!" نازنین بولی۔ "اسے خواہ مخواہ باجی سے الجھنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ عالیہ اور زرنگار کو بلا کر پوچھیں۔ راحیل بھائی بھی گواہ ہیں کہ بات کیوں اور کس لئے بڑھی؟ اس میں سارا قصور کس کا ہے۔"

"تم اس دو ٹکے کی ماسی کی حمایت میں بول رہی ہو؟" شوکت علی نے برہمی سے کہا۔ "یہ جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی کہ نیلم ہماری پیاری بیٹی ہے۔ آج تک میں نے اور اس کی ماں نے بھی اس پر کبھی بھولے سے بھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔"

"شوکت!" محمد علی خوندکر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ان کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ وہ کرخت لہجے میں بولے۔ "یہ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ میرے سامنے میری بیٹی سنگیت کو تم دو ٹکے کی ماسی کہو۔ تم اپنے الفاظ واپس لو' خبردار جو تم نے آئندہ اسے اس طرح مخاطب کیا۔"

"بھائی جان!" شوکت علی اور زیب النساء نے ششدر ہو کر ان کی شکل دیکھی۔ شوکت علی کو یقین نہیں آیا کہ وہ سنگیت کے لئے اس قدر جذباتی بھی ہو سکتے ہیں۔ شوکت علی نے آنکھیں پھاڑ کے انہیں دیکھا۔ "یہ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔ بھائی جان!"

"میں کہتا ہوں تم اپنے الفاظ واپس لو۔" ان کی سانس سینے میں پھولنے لگی اور وہ تڑختے ہوئے لہجے میں بولے۔ "تم نے اسے دو ٹکے کی کس لئے کہا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے اسے اپنی بیٹی بنایا ہوا ہے۔ میں نے پہلے ہی روز یہ بات سب پر واضح کر دی تھی۔"

"بھائی جان!" زیب النساء بھونچکی سی ہو گئیں۔ "آپ میرے خاوند پر اس لڑکی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ وہ آپ کے سگے بھائی ہیں۔"

"میں عزت اور انصاف کی بات کر رہا ہوں۔ میں اس بات کو بالکل بھی پسند نہیں کرتا ہوں کہ کسی کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جائے اور اس کی اہانت کی جائے۔ میری نظروں میں سب برابر ہیں۔" وہ تیز و تند لہجے میں بولے۔

"آپ کو اپنی اس منہ بولی بیٹی کا کوئی قصور نظر نہیں آ رہا ہے۔" شوکت علی نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔

"میں سنگیت سے سب کے سامنے پوچھ رہا ہوں اور صفائی کا موقع دے رہا ہوں۔ آخر یہ معلوم بھی تو ہو کہ اصل بات کیا ہے۔ سنگیت بیٹی نے آخر کس بات پر برہم ہو کر نیلم کے منہ پر تھپڑ مارا۔ میرے نزدیک نیلم اور سنگیت دونوں برابر ہیں۔" وہ بولے۔

"سنگیت بیٹی!" بیگم رشیدہ بانو نے اسے نرمی و محبت سے مخاطب کیا۔ "پہلے تم بتاؤ کہ نیلم نے کیا کہا تھا؟"

"انہوں نے ایک ذرا سی بات پر مجھے ایسے القاب سے مخاطب کیا جو انہیں زیب نہیں دیتا تھا اور نہ ہی ان کی شایان شان تھا۔ میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو وہ مشتعل ہو جاتا۔ میں نے بہت ضبط کیا تھا لیکن پھر بھی میرا ہاتھ اٹھے بغیر نہیں رہ سکا۔" سنگیت نے کہا۔

"نیلم نے تمہیں جن الفاظ سے مخاطب کیا وہ صاف صاف بتا دو۔" انہوں نے سنگیت کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ "ڈرو نہیں۔"

"میں بتاتی ہوں ابو!" نازنین کہنے لگی۔ "نیلم نے باجی کو دو ٹکے کی' آوارہ اور بدچلن اور نہ جانے کیا کچھ کہا تھا۔ اس کے گواہ راحیل بھائی' عالیہ اور زرنگار ہیں۔ باجی

نے نیلم کی اس بات پر کہ وہ خاندان کے لڑکوں پر ڈورے نہ ڈالیں یہ کہا تھا کہ آپ کے بھائی جان نے انہیں بوا کے ہاتھ دو خط بھیجے تھے۔ انہوں نے بغیر پڑھے پھاڑ دیئے۔ اس بات پر نیلم کو طیش آ گیا اور بات بڑھ گئی تھی۔ اس کے باوجود سنگیت باجی نے نیلم کو معاف کر دیا' دل صاف کر لیا اور معاملہ بھی رفع دفع کر دیا گیا تھا۔"

"کیا نازنین ٹھیک کہہ رہی ہے کہ تم نے سنگیت کو بدچلن اور آوارہ کہا تھا؟ کیا یہ بات سچ ہے؟" انہوں نے نیلم کی طرف دیکھا۔

"جی۔" نیلم نے قدرے تذبذب کے بعد سر ہلایا۔ "جی ہاں میں نے کہا تھا۔ میں نے یہ بات کہی تو کون سا قصور کیا تھا؟"

"تم سب کے سامنے سنگیت بیٹی سے معافی مانگو۔ اس میں سراسر، تمہاری غلطی ہے۔ تم نے زیادتی کی ہے۔" انہوں نے نیلم سے کہا۔

"بھائی جان! یہ سراسر زیادتی ہے۔" شوکت علی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو کر احتجاج کیا۔ "آپ اس لڑکی کو ہم پر فوقیت دے رہے ہیں۔ جس سے کوئی رشتہ نہیں ہے' جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے' جس کے ماں باپ کا پتا ہے اور نہ ہی اس کے خاندان کا۔ آپ اسے راہ سے اٹھا کر لائے ہیں۔ ہم سب کو ہی آپ اس کے سامنے ذلیل و رسوا کر رہے ہیں۔ کیا ہماری کوئی عزت نہیں ہے؟"

"تمہیں تقریر جھاڑنے کی کوئی ضرورت نہیں شوکت! اپنی بیٹی سے کہو کہ وہ سنگیت سے معافی مانگے۔" وہ تحکمانہ لہجے میں بولے۔

"ابو! اس بات کو جانے دیں۔ بات یہیں ختم کر دیں' میں نے نیلم کو اسی وقت معاف کر دیا تھا۔" سنگیت نے کہا۔

"نہیں بیٹی! یہ اصول کی بات ہے' میں اصولوں کی خلاف ورزی بالکل پسند نہیں کرتا۔ نیلم کو معافی مانگنا ہو گی۔"

"نہیں بھائی جان!" شوکت علی نے ہٹ دھرمی سے کہا۔ "نیلم کسی قیمت پر اس لڑکی سے معافی نہیں مانگے گی۔ یہ آپ سن لیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر تم بھی سن لو۔" وہ طیش میں آ کر بولے۔ "کل شام تک

میرا گھر خالی کر کے یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر تم اتنے ہی غیرت مند ہو اور تم سے اب میرا کوئی رشتہ بھی نہیں ہے' آج سے تم میرے بھائی بھی نہیں ہو۔ پھر تم مجھے اپنی شکل بھی نہیں دکھانا۔"

"جی..........." شوکت علی اور زیب النساء پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری۔ ان پر سکتہ سا چھا گیا۔ وہ دونوں ہی دم بخود رہ گئے۔ یہی حالت نیلم کی بھی تھی۔ وہاں موجود سب لوگ گنگ ہو گئے تھے۔ شوکت علی نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ایک معمولی لڑکی کے لئے اتنا بڑا قدم اٹھائیں گے۔

"بھائی جان!" شوکت علی نے چند ثانیوں کے بعد ان کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔ اس فیصلے سے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکلی جا رہی تھی۔ "آخر آپ کس لئے اتنے جذباتی ہو رہے ہیں۔ آپ نے اتنا بڑا فیصلہ سنا دیا۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"یہ فیصلہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ تمہاری بیٹی نے میری بیٹی کو نہ جانے کیا کچھ کہا ہے۔ نیلم کو اس پر تہمت لگاتے ہوئے کوئی خوف دل میں نہیں آیا؟ سنگیت یہ بات نیلم سے کہتی تو کیا تم یہ بات خاموشی سے برداشت کر لیتے؟"

"مگر بھائی جان!" زیب النساء بولیں۔ "آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ سنگیت اور نیلم میں فرق ہے۔ آپ خواہ مخواہ جذباتی ہو رہے ہیں۔"

"ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو تو اپنی غلط فہمی دور کر لو۔ آج اس نے سنگیت کو آوارہ' بدچلن کہا ہے کل وہ نازنین کو بھی کہہ سکتی ہے۔ اگر نازنین نے خاندان کی کسی لڑکی کو ان نازیبا الفاظ سے مخاطب کیا تو میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔ میں سنگیت کو نازنین کی طرح پاک دامن' شریف اور ایک نیک لڑکی سمجھتا ہوں۔ اسے بیٹی بنا کر لایا ہوں ملازمہ نہیں۔"

شوکت علی نے بے بسی سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ بڑے بھائی کی دھمکی سے شوکت علی کی عقل ٹھکانے آ گئی تھی۔ زیب النساء نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "نیلم چلو اٹھو۔ سنگیت سے معافی مانگو۔ واقعی تمہیں اس قسم کی نامناسب باتیں، سنگیت سے کہنا نہیں چاہئیں

تھیں۔"

"مگر امی جان!" نیلم نے صفائی پیش کرنا چاہی۔ وہ اپنے تایا ابو کے غصے' تیور اور دھمکی سے سہم کر رہ گئی تھی۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔" شوکت علی نے کہا۔ "آج تم نے ہم سب کو تایا اور پورے خاندان کے سامنے ذلیل کر دیا۔"

چند ثانیوں کے بعد نیلم اپنی جگہ سے اٹھی تو اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی تھی۔ وہ اپنی نگاہیں نیچی کر کے سنگیت کی طرف بڑھی۔ سنگیت نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔ نیلم نے ندامت سے کہا۔ "باجی! آپ مجھے معاف کر دیں' میں نے آپ کا دل دکھایا .... دل آزاری کی۔ میں سخت نادم اور شرمسار ہوں۔ مجھے یہ الفاظ کہنا نہیں چاہئے تھے۔"

"میں نے تمہیں اسی وقت معاف کر دیا تھا تم میری چھوٹی اور پیاری بہن ہو۔" سنگیت نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ "میرے دل میں کوئی میل اور غصہ نہیں ہے۔ غصے میں بعض اوقات ایسی باتیں نکل جاتی ہیں۔" وہ نیلم کو لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"باجی!" نیلم سسک پڑی۔ اس کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ اب اسے اندازہ ہوا تھا کہ سنگیت کے سینے میں کتنا بڑا دل ہے۔

پھر فضا یکلخت خوشگوار سی ہو گئی۔ شوکت علی اور زیب النساء کو اب اندازہ اور احساس ہوا کہ یہ ماسی جتنی خوبصورت ہے اس کا دل بھی اتنا ہی خوبصورت ہے۔ بہت بلند اور ان کی سوچ کے برعکس ہے۔ اسے انہوں نے سمجھنے میں بڑی غلطی کی ہے۔ اس کے بھائی جان جو نوادر جمع کرنے کے شوقین ہیں وہ واقعی سمندر سے ایک نایاب موتی ڈھونڈ کر لائے ہیں۔

نازنین تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس لئے کہ اس کے دل و دماغ میں اب بھی ایک عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ اس کے اعصاب ابھی تک قابو میں نہیں آئے تھے۔ اسے آرام' اس کے ذہن کی یکسوئی کے لئے تنہائی اور نیند کی ضرورت تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد زیب النساء اور شوکت علی بھی نیلم کے ساتھ جانے کے لئے اٹھے تو انہوں نے سنگیت سے محبت سے باتیں کیں۔ اس کی بلائیں لیں۔ اس سے کہا کہ وہ ان کے ہاں بھی آتی رہے۔ ثمرین دل میں مسکرا کر رہ گئی۔ اس جادوگرنی نے انہیں بھی اپنے جادو سے اسیر بنا لیا تھا۔

جب نیلم اپنے امی ابو کے ساتھ چلی گئی تو سنگیت ان کے پاس جا بیٹھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو اس کی سانس آواز کا ساتھ دے نہیں پا رہی تھی۔ چند ثانیوں کے بعد وہ بولی تو اس کی آواز بھرا سی گئی۔ "ابو! آپ مجھے اتنا کیوں چاہتے ہیں؟ اتنی محبت تو نہ کریں۔"

"میں خود سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر تمہیں اتنا کیوں چاہتا ہوں۔" وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "شاید اس لئے کہ تم ایک ایسا نادر ہو جو جیتا جاگتا' ہنستا بولتا اور دنیا کا سب سے انوکھا ہے۔ تم نے تو میرے سارے نوادر کو ماند کر کے رکھ دیا۔"

"آپ بہت ہی جذباتی ہو گئے تھے ابو!" سنگیت نے کہا۔ "آپ نے بہت بڑا فیصلہ سنا دیا تھا۔ میں تو اندر ہی اندر لرز کے رہ گئی تھی۔"

"مجھے ان لوگوں پر سخت غصہ آتا ہے بلکہ ان سے شدید نفرت کرنے لگتا ہوں جو کسی کے ساتھ نفرت اور حقارت سے پیش آتے ہیں۔ اس کی تذلیل اور دل آزاری کرتے ہیں۔ اس لئے میں چوری اور سینہ زوری برداشت نہ کر سکا۔" وہ ہذیانی لہجے میں بولے۔

"چلئے اب تو بات صاف ہو گئی اور سلجھ گئی۔ نیلم بھی نادم ہو گئی۔ انکل اور آنٹی بھی غلطی مان گئے۔ آئندہ آپ جذباتی نہ بنیں۔"

"میری بیٹی کی نصیحت اور اس کا حکم سر آنکھوں پر۔" وہ سنگیت کا رخسار پیار سے تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ "اب تم جا کر سو جاؤ۔"

"کیوں امی جان!" ثمرین نے اپنی ساس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سنگیت جادوگرنی ہے نا؟ اس نے ان پر اپنا منتر پھونک دیا۔ وہ کیسے نرم پڑ گئے .... پھر بیٹی اور ماں باپ اس کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اسے کہتے ہیں کالا جادو..........."

بیگم رشیدہ بالآخر جھینپ گئی۔ وہ ہنستے ہوئے بولے۔ ”میں ایک بات جانتا ہوں کہ دنیا میں اخلاق سے بڑا جادو کوئی نہیں ہے۔“

سنگیت نشست گاہ سے نکلی تو سعید کبیر جو ایک طرف الگ سے بیٹھے تھے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آئے اور بولے۔ ”انکل! سچ پوچھئے تو مجھے اندازہ نہ تھا کہ ایک عام لڑکی اور منہ بولی بیٹی کے لئے آپ خون کے رشتے کی بھی پرواہ نہیں کریں گے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اسے جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔ آپ کی انصاف پسندی نے آپ کی عزت میرے دل میں دوچند کر دی۔“

”بات یہ ہے بیٹے! میرے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے۔ تم نے ایک معمولی لڑکی کا دل دیکھا؟ نیلم نے اس سے کیا کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر اس نے نیلم کو معاف کر دیا۔ کتنی بلند اور عظیم لڑکی ہے۔ سنگیت! وہ تو گدڑی میں لعل تھا جو میں اسے یہاں لے آیا۔ اس کی ہر کسی کو قدر کرنا چاہیے۔“

”انکل! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ واقعی وہ ایک بلند کردار لڑکی ہے۔“ سعید کبیر نے تائیدی لہجے میں کہا۔

☆======☆======☆

نازنین اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ واقعہ ابھی تک اس کی نظروں میں گھوم رہا تھا اس کے خیال نے اسے نڈھال اور بے جان سا کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ سنگیت کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ کبھی ان درندوں کے ہاتھوں سے بچ کر نہیں آ سکتی تھی۔ سنگیت نے اپنی جان پر کھیل کر کتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ وہ دونوں بدمعاش مسلح بھی تھے۔ وہ مشتعل ہو کر ان دونوں کو قتل بھی کر سکتے تھے۔ اس نے اخبار میں ایسی خبریں پڑھی تھیں کہ بدمعاشوں نے لڑکیوں کو اغوا کرنے کے بعد انہیں تشدد اور بربریت کا نشانہ بنایا اور قتل کر کے ویرانے میں پھینک دیا۔ ان بھیانک خیالات سے اس کا سارا جسم لرز اٹھتا تھا۔ وہ اپنا پورا جسم پسینے میں شرابور محسوس کرتی تھی۔

نازنین نے آہٹ سن کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اگلے لمحے کمرے میں

روشنی ہو گئی۔ سنگیت اپنے ہاتھ میں ٹرے لئے کھڑی تھی۔ اس میں سینڈوچز اور دو مگ تھے۔ وہ شاید کافی بنا کر لائی تھی۔ اس نے سنگیت کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے سکون اور اطمینان سے کھڑی ہوئی تھی جیسے اس نے اس بدترین واقعہ کا اثر نہ لیا ہو۔

سنگیت ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بستر پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے نازنین کا چہرہ دیکھا وہ ابھی تک سفید پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے جیسے وہ چپکے چپکے روتی رہی ہو۔

”چلو اٹھ کر کافی پی لو۔“ سنگیت نے اس پر جھک کر بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ ”اس واقعے کا تم اتنا اثر کیوں لے رہی ہو؟“

”میرا دل بہت خراب ہو رہا ہے باجی!“ نازنین نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔ ”میں کچھ بھی نہیں پیئوں گی۔“

”کافی پینے سے طبیعت سنبھل جائے گی۔“ سنگیت نے کہا۔ ”انسان کی زندگی نشیب و فراز سے بھری پڑی ہے۔ اس کی زندگی میں ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ اس نے کبھی خواب و خیال میں سوچا نہیں ہوتا۔ یہ بات میرے ابو کہتے تھے۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“ نازنین اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”مگر باجی اس واقعہ کی میرے سینے میں ایک ہیبت چٹان طرح بیٹھ گئی ہے۔ دل و دماغ کی جو کیفیت ہو رہی ہے وہ میں آپ کو بتانے سے قاصر ہوں۔ وہ میرے قابو میں نہیں آ رہی ہے۔“

”تم کافی پی لو‘ پھر میں بتاتی ہوں کہ دل و دماغ کیسے قابو میں آ سکتے ہیں۔ میرے پاس اس کا علاج ہے‘ منٹوں میں تمہارے دل و دماغ کو ایک عجیب سکون اور راحت کا احساس ہو گا۔ پھر تمہیں گہری نیند بھی آ جائے گی۔“ سنگیت مسکرا کے بولی۔

”وہ کیسے.........؟“ نازنین نے متعجب نظروں سے دیکھا اور ٹرے سے مگ اٹھا لیا۔

”ابھی بتا دیں نا تاکہ دل کو قرار آ جائے۔“

”کافی پینے کے بعد وضو کرو اور سجدہ ریز ہو کر اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے عزت اور جان بچائی۔“ سنگیت کہنے لگی۔ ”ہم اس کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ میں بھی یہی کروں گی۔ قلب کے سکون کے لئے اس سے بڑھ کر اور دوا کوئی نہیں ہے۔ ہم اپنے رب کا جتنا

شکر ادا کریں۔ میرے ابو کہتے تھے کہ دل کے سکون کی اصل دوا اوپر والے کا ہر حال میں شکر ادا کرنے میں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں باجی! اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ مجھے تو اس کا شکر ادا کرنا یاد ہی نہیں رہا۔" نازنین بولی۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں اپنے اپنے کمروں میں سجدہ ریز تھیں۔ بڑی عاجزی و انکساری اور تہہ دل سے اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے۔ ان کے دلوں کو عجیب سا سکون اور راحت میسر آ رہی تھی جیسے کوئی بہت بڑی روحانی دولت مل گئی ہو۔

☆======☆======☆

ثمرین تین بجے کسی کام سے گاڑی لے کر نکلی۔ سنگیت ان سے کہہ کر گئی تھی کہ وہ اپنے ایک دور کے رشتہ دار سے مل کر پانچ بجے تک آ جائے گی۔ کچھ دنوں سے اس نے محسوس کیا اور دیکھ رہی تھی کہ سنگیت کی حرکات و سکنات کچھ پُراسرار سی ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ٹیلی فون پر کسی سے مخصوص وقت پر بات کرتی تھی۔ خود بھی ٹیلی فون کرتی تھی۔ ٹیلی فون کرتے یا ریسیو کرتے وقت وہ اس بات کا خاص خیال رکھتی تھی کہ کوئی اسے بات کرتے ہوئے دیکھ اور سن نہ رہا ہو۔ دو ایک مرتبہ اس نے سنگیت کی چوری پکڑی تھی۔ سنگیت نے رانگ کال کہہ کر ٹال دیا تھا۔ پہلے تو وہ سمجھتی تھی کہ خاندان کے کسی مرد کو سنگیت دل دے بیٹھی ہے شاید وہ ٹیلیفون کرتا ہے لیکن اس نے جو گفتگو سنی تھی جو الفاظ اس کے کانوں میں پڑے تھے وہ عشق و محبت کے نہ تھے۔ اس کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ کسی کو کچھ ہدایات دے رہی ہے۔ ایک بار تو وہ دس بارہ منٹ تک سرگوشی میں باتیں کرتی اور ہرنی کی طرح چوکنا ہو کر چاروں طرف دیکھتی رہی تھی۔ جب اس نے ایک دو مرتبہ اپنا شک دور کرنے کے لئے سنگیت سے ان ٹیلیفون کالوں کے بارے میں دریافت کیا تو وہ اسے مطمئن نہ کر سکی اس نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لی تھی کہ ایک نامعلوم دکھی لڑکی دل کی بھڑاس نکالنے اور بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ٹیلیفون کرتی رہتی ہے۔ اسے اس لڑکی کا نام بھی نہیں معلوم ہے۔

ثمرین کی نظروں میں سنگیت پُراسرار اور مشکوک سی ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے دانستہ اپنے شوہر سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ بھی سنگیت کو نازنین کی طرح چاہنے لگے تھے۔ سنگیت کا جادو اس کے شوہر پر بھی چل گیا تھا۔ ابو کو اعتماد میں لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ سنگیت کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارہ نہیں کرتے

تھے۔ جانے کیوں اس کے دل میں ایک شک جاگزیں ہو گیا تھا کہ سنگیت اونچا ہاتھ مارنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ لہٰذا اسے ہوشیار رہنا چاہئے۔ سنگیت کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھنا چاہئے۔

جب وہ سنار گاؤں ہوٹل شیرٹن کے پاس سے گزر رہی تھی اس نے اپنی گاڑی روک دی۔ اس نے سنگیت کو ہوٹل سے باہر آتے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آیا۔ سنگیت کا اتنے بڑے ہوٹل میں کیا کام؟ وہ یہاں کس سے ملنے آئی؟ اسے پہلے ہی دن سے اس بات کا شک اور اندازہ ہو گیا تھا کہ سنگیت ہرگز کوئی ماسی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لب و لہجے کی نفاست، شستہ زبان ایک جاہل لڑکی کی نہیں ہو سکتی تھی اور پھر اس کے کام کاج میں نفاست تھی۔ خود بھی بہت صاف ستھری رہتی تھی۔ اس کی باتوں میں بڑی گہرائی بھی ہوتی تھی۔ اس پر ایک گریجویٹ لڑکی کا دھوکا ہوتا تھا اس نے سنگیت کو جو ہوٹل سے نکلتے دیکھا تو اس کا شک اور قوی ہو گیا کہ سنگیت وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے، دال میں ضرور کالا ہے۔ وہ آج اس سے پوچھ کر رہے گی کہ وہ کون ہے؟ وہ یقیناً سفلی علم کی ماہر ہے۔ اس کا یہ جادو روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ خطرناک بات ہے۔

ثمرین نے جب اسے ٹیکسی سٹینڈ کی طرف جاتے دیکھا تو اپنی گاڑی اس کے سامنے لے جا کر روک دی۔ اس کا خیال تھا کہ سنگیت بڑے زور سے چونکے گی اور گھبرا جائے گی۔ مگر وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ "ثمرین بھابی! آپ.........؟"

سنگیت گاڑی میں بیٹھ گئی تو ثمرین نے گاڑی سڑک پر لا کر اس سے پوچھا۔ "تم یہاں کس لئے آئی تھی؟"

"میں اپنے ایک رشتہ دار سے ملنے آئی تھی۔" سنگیت نے جواب دیا۔ "وہ اس ہوٹل میں کچن میں کام کرتے ہیں۔"

"وہ تمہارے کیا لگتے ہیں؟" ثمرین نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "ان کا نام کیا ہے؟"

"وہ رشتے میں میرے دور کے خالو ہوتے ہیں۔" سنگیت نے بتایا۔ "ان کا نام عبدالغنی سوداگر ہے۔ وہ ایک سال سے یہاں کام کر رہے ہیں۔"

دوسرے دن ثمرین نے ہوٹل جا کر عبدالغنی سوداگر کے بارے میں پتا کیا تو مینجر نے بتایا کہ اس نام کا کوئی آدمی یہاں ملازم نہیں ہے۔

☆======☆======☆

آج نیلم کی سالگرہ تھی۔ شوکت علی نے خاندان کے تمام افراد کو مدعو کیا تھا۔ یہ تقریب خاندان کے افراد تک محدود تھی۔ نیلم نے اپنی سہیلیوں اور کچھ پڑوسیوں کو بھی مدعو کر لیا تھا۔ کوئی ڈیڑھ سو مرد اور عورتوں کا اجتماع تھا۔ رات کے کھانے کے بعد شب موسیقی کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ گیت اور نغموں کا پروگرام تھا۔ اس کے لئے فلم، ٹی وی اور ریڈیو کے فنکاروں کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ شوکت علی کی شو بزنس کی دنیا کے افراد سے دوستی تھی۔ اس لئے تمام فنکار چلے آئے تھے۔

یہ محفل وسیع و عریض لان پر سجائی گئی تھی۔ سال میں دو ایک مرتبہ کسی نہ کسی تقریب کے موقع پر یہ پروگرام ہوتا تھا۔ محفل حاضرین سے بجی ہوئی تھی۔ خاندان کے تمام لڑکے، مرد، بچے، لڑکیاں اور عورتیں بھی موجود تھیں۔ جس وقت محفل پورے شباب پر تھی تب سنگیت نے نازنین سے سرگوشی میں کہا۔ "میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں کوئی گیت سنا دوں۔"

"آپ؟" نازنین نے اس کی طرف حیرت اور خوشی سے کہا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "آپ کو گانا آتا ہے؟"

"ہاں.......... آتا تو ہے۔" سنگیت نے سر ہلایا۔ "مجھے دو ایک پرانے گیت یاد ہیں۔ بہت اچھے گیت ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" نازنین نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں کبیر بھائی سے کہتی ہوں، وہ آپ کو ضرور موقع دیں گے۔"

نازنین سٹیج کی طرف خراماں خراماں بڑھ گئی۔ سعید کبیر نظامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ نازنین نے جب ان سے سنگیت کے بارے میں کہا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ انہیں یقین نہ آیا۔ پھر وہ بولے۔ "یہ اچھی بات ہے۔ میں تھوڑی دیر میں بلاتا ہوں۔"

نازنین واپس آ کر سنگیت کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "ابھی تھوڑی دیر میں آپ کو سٹیج پر بلایا جانے والا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد سعید کبیر نے مائیک پر اعلان کیا۔ "خواتین و حضرات! آج ہم اس محفل میں ایک نئی آواز متعارف کرا رہے ہیں۔ یہ فنکار کسی محفل میں پہلی مرتبہ نغمہ سرا ہو رہی ہیں۔ ان کا نام بھی اتفاق سے سنگیت ہے۔ دیکھئے یہ کیسا سنگیت پیش کرتی ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ تشریف لاتی ہیں' مس سنگیت.........!"

اس کا نام سن کر کچھ لڑکیوں اور لڑکوں نے بڑی حیرت سے اپنی گردنیں گھما کر اس کی طرف دیکھا اور خاندان کے افراد چونک پڑے۔ کچھ نے تالیاں بجائیں۔ وہ بڑی تمکنت اور سبک خرامی سے سٹیج کی طرف بڑھی۔ جب اس نے سٹیج پر بڑے اعتماد سے قدم رکھا تو سعید کبیر نے مائیک اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے سازندوں کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے ایک ستار نواز سے اس کا ستار لے لیا۔ پھر اس کی نگاہیں اپنے ابو کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ اسے شفقت بھری نظروں سے دیکھ رہے اور حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

"یہ اور گانا........" عالیہ نے چمپا کے کان میں سرگوشی کی۔ "لگتا ہے کہ کسی بھکارن کی طرح برتن بجا کر گانا گانے لگے گی۔"

چمپا اس کی بات سن کر ہنسنے لگی۔ نجم النہار نے ان دونوں کی طرف پیچھے سے گردن ڈال کر کہا۔ "دراصل مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا ہے۔ تم کسی سے روئی کا بنڈل منگوا دو تاکہ اس کے پھاہے بنا کر ہم اپنے اپنے کانوں میں ٹھونس لیں۔"

"گانے اور برتن دھونے میں بڑا فرق ہے۔" عالیہ تمسخر سے بولی۔ "اس نے ستار کو بڑی پتیلی سمجھ کر اٹھا لیا ہے۔"

زرنگار جو ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بیزاری سے بولی۔ "اچھا' اچھا' اب اپنی چونچیں بند کرو اور گانا سنو۔"

ستار کو دیکھ کر سنگیت کا دل مچلنے لگا تھا۔ اس لئے وہ گانے کے لئے سٹیج پر آ گئی تھی۔ بڑا شاندار اور خوبصورت ستار تھا۔ اس نے ستار سنبھال کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس

کی نرم و نازک' خوبصورت اور مخروطی انگلیوں نے ستار کے تاروں سے کھیلنا شروع کیا۔ وہ چند لمحوں کے لئے کھو سی گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنے آپ سے ہی نہیں بلکہ دنیا و مافیہا سے بھی بے نیاز ہو گئی۔ حاضرین خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ فضا پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ پھر اس کی سوز میں ڈوبی ہوئی رسیلی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ اس کی انگلیاں ستار کے تاروں کو بڑے فنکارانہ انداز سے چھیڑ رہی تھیں۔ وہ گیت گا رہی تھی لیکن اس کے تصور میں سعید کبیر کا چہرہ تھا۔ گیت کے بول تھے۔ تم میرے میت ہو' تم میرے سپنے ہو۔

وہ تصورات کی دنیا میں پرواز کرنے لگی جہاں ہر سمت اسے سعید کبیر کا خوبصورت چہرہ دکھائی دے رہا تھا جو اس کے دل پر پہلے ہی دن نقش ہو چکا تھا۔ وہ اس کا صرف اس کا اپنا تھا۔ اس نے اسے سدا کے لئے مان لیا تھا۔ اس کے لئے سب کچھ تھا۔ اس احساس سے اس نے خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔ کیونکہ اس کے دل کو ایک عجیب طرح کی مسرت و راحت مل رہی تھی۔ اس کی انگلیاں جادو جگا رہی تھیں۔ محبت کرنے والوں کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھیں۔ ان میں کسک اور گداز پیدا کر رہی تھیں۔ بالآخر سُر کا یہ سفر ختم ہوا۔

فضا تالیوں سے گونج اٹھی تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ہر کوئی اسے پُرستائش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لوگ دم بخود تھے۔ وہ لڑکے اور لڑکیاں بھی جو اس کا تمسخر اڑاتے تھے۔ نثار احمد کے چہرے پر حیرت اور خوشی چھائی ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ محمد علی خوندکر خوش تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ ہر کسی کی آنکھوں میں جو جذبے تھے وہ پرستش کے جذبات میں ڈھل چکے تھے۔

اس نے اٹھنا چاہا تو چاروں طرف سے فرمائش ہونے لگی۔ "ونس مور مور .... ایک اور گیت.........." پھر وہ مجبور ہو گئی۔ اس کی گائیکی کا انداز فلمی دنیا اور ٹی وی کی گلوکاراؤں سے بہت مختلف اور ٹھہرا ہوا تھا۔ نہ صرف بہت خوبصورت بلکہ انوکھا اور متاثر کن تھا۔ وہ کسی منجھی ہوئی گلوکارہ کی طرح لگ رہی تھی۔ وہاں موجود فنکار حیران تھے۔ انہیں یقین نہیں آیا۔ کیونکہ اس طرح سے ایک ریاض کرنے والا ہی گا سکتا تھا۔

چونکہ وہ بھی فنکار تھے اس لئے انہوں نے نہ صرف دل کھول کر داد دی بلکہ اسے خوب سراہا بھی۔ اسے کوئی ایک گھنٹے تک اٹھنے نہیں دیا گیا۔ اسے مسلسل گانا پڑا۔ اس نے چھ سات گیت اور ایک دو فلمی نغمے سنا دیئے۔ اس جیسی داد کسی فنکار کو نہ ملی تھی۔ اس کے بعد جس نے بھی آکر نغمہ سرائی کی وہ اس کے سامنے ٹھہر نہ سکا تھا۔ محفل کا وہ رنگ جم نہ سکا جو اس نے جمایا تھا۔

محفل کا اختتام اس کے ایک گیت پر ہوا تھا۔ سنگیت کو اندازہ نہ تھا کہ اس کی اس قدر پذیرائی ہوگی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس نے اس جذبے سے کس لئے گایا تھا۔ سعید کبیر کی موجودگی میں وہ دل سے اور پورے جذبے سے گا رہی تھی۔

جب سنگیت کی دلکش آواز فضا میں گونج رہی تھی تب نازنین کی آنکھوں سے اپنے خاندان کے ان لڑکوں اور لڑکیوں اور عورتوں کے چہرے پڑھ رہی تھی جو سنگیت کو حقیر جانتے تھے اور وہ ان کی نظروں میں صرف ایک ماسی اور کمتر درجے کی حقیر لڑکی تھی۔ نالی کا کیڑا تھی۔ اس کے ابو نے سنگیت کو گھر لا کر جیسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ یہ حماقت تھی جو ان سے سرزد ہوئی تھی۔ ان لوگوں کو جیسے یقین نہیں آیا تھا کہ ایک معمولی ماسی اتنا اچھا گا اور بجا بھی سکتی ہے۔

مگر آج ایک معمولی سی ماسی نے اپنی پُرسوز آواز کے جادو سے ساری محفل کو دیوانہ بنالیا تھا۔ انہیں تڑپا کے رکھ دیا تھا۔ وہ سب سنگیت پر رشک کر رہے تھے کہ اللہ نے اسے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ پوری فیاضی سے کیسی خوبصورت اور ترنم ریز آواز سے نوازا ہے اور پھر سنگیت نے جس عمدگی سے ستار بجایا تھا اس پر حاضرین ہی نہیں بلکہ ستار نواز محمد امین زماں جو استاد تھے اور بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے وہ بھی عش عش کر اٹھے تھے۔ سارا وقت جھومتے رہے تھے۔

فلم سٹار شبانہ نے اس سے کہا۔ ”آپ کا نام ماں باپ نے سنگیت رکھا ہے وہ بالکل صحیح رکھا ہے۔ آپ صرف نام کی نہیں بلکہ حقیقت میں ایک مدھر سنگیت ہیں۔“

محمد علی خوند کرنے سٹیج پر جا کر سنگیت کو مبارکباد دی۔ سنگیت نے ان کی قدم بوسی کرنا چاہی تو اسے روک دیا۔ بنگال میں مسلمانوں میں بھی بزرگوں‘ بڑے لوگوں اور

استادوں کی قدم بوسی کرنے کا رواج تھا لیکن وہ ہندوؤں کے اس رواج کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے سنگیت کی پیشانی چومی۔ خوب شاباش دی۔ پھر سنگیت کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ”بیٹی! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم اتنا اچھا گاتی ہو۔ اتنا شاندار ستار بجانا جانتی ہو۔ میری بیٹی چھپی رستم نکلی۔“

ثمرین جو پاس ہی کھڑی تھی اس نے کہنا چاہا کہ سنگیت صرف چھپی رستم ہی نہیں بلکہ بہت کچھ ہے۔ بہت گہری‘ بے حد خطرناک اور پُراسرار سی۔ آپ ذرا اس سے ہوشیار رہیں۔ کسی دن ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کو کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈس لے۔ یہ ایک مار آستین ہے جسے گھر میں دودھ پلایا جا رہا ہے۔ اس کی پرورش کی جا رہی ہے۔ اسے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔

ثمرین نے یہ بات نہیں کہی۔ ایک تو اس کا موقع نہیں تھا۔ وہ سنگیت کے بارے میں پوری طرح معلوم کر کے اس کا اصل چہرہ بے نقاب کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے طور پر اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ اب کچھ کہنے سے حاصل نہ تھا کیونکہ اس کے سسر سنگیت کے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتے تھے۔ اسے بھی سنگیت جادوگرنی سی لگ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے سنگیت سے سب لوگوں پر جادو کر دیا تھا۔ پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اس ہوٹل میں ایک ماہر سفلی علوم اور نجومی کا دفتر بھی تو ہے۔ شاید سنگیت اس سے ملنے گئی تھی یا اس کی شاگرد تھی۔

☆======☆======☆

ایک طرف وہ آج کی پذیرائی پر بہت خوش تھی۔ گیت اور نغمے سنانے پر اسے توقع سے بڑھ کر داد ملی تھی۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ریڈیو اور ٹی وی کے فنکار اسے سراہیں گے۔ سب سے زیادہ مسرت اور طمانیت اس کے دل کو ستار نواز استاد محمد امین الزماں کی وجہ سے ملی تھی۔ کیونکہ انہوں نے اسے بہت زیادہ شاباش دی تھی۔ بلاشبہ وہ بڑے معروف‘ عظیم اور بڑے فنکار تھے۔

دوسری طرف اسے ایک صدمے کا احساس ہو رہا تھا کہ سعید کبیر نے نہ تو اس کے فن کو سراہا اور نہ ہی اسے مبارکباد دی۔ وہ ایک جانب لاتعلق سے بیٹھے رہے۔ رشتہ دار

لڑکوں اور لڑکیوں سے باتیں کرتے رہے۔ آخر اس سے لاتعلقی کس لئے تھی؟ اس نے سوچا۔ پھر اسے یاد آیا کہ انہوں نے تو صنوبر کو بھی اس تقریب میں مدعو کیا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا تھا کہ صنوبر بہت اچھا گاتی ہے۔ صنوبر نے ان سے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئی تھی۔ شاید اسے کوئی ضروری کام پڑ گیا ہو گا۔ وہ بھی صنوبر کو دیکھنا چاہتی تھی۔ سنگیت کے دل میں صنوبر کو دیکھنے کا بڑا تجسس تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی ایسی کون سی خوبی اور کشش ہے جو وہ اسے اتنا چاہتے ہیں۔

سنگیت بڑی بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ اس نے تکیے کے نیچے سے اپنی دستی گھڑی نکال کر دیکھی تو رات کے تین بج رہے تھے۔ رات کی تاریکی دبیز اور گہری ہو گئی تھی۔ فضا خاموش تھی اور اندھیرے کی چادر تان کر سو رہی تھی۔ وہ کسی خیال کے زیر اثر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے بکھرے بالوں کو درست کیا۔ پھر اپنے کمرے کی لائٹ کا سوئچ آن کیا تو کمرے میں دودھیا رنگ کی روشنی پھیل گئی۔ پھر وہ قد آدم آئینے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔ پہلے تو اس نے اپنے سراپا کا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لیا پھر چہرے کے خدوخال دیکھے' پھر اس نے دل میں سوچا۔ کیا صنوبر اس سے بھی خوبصورت ہے؟

سارے گھر پر ایک گہرا سکوت مسلط تھا۔ تمام مہمان کب کے جا چکے تھے۔ سبھی اپنے اپنے کمروں میں جا کر گہری نیند سو گئے تھے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے کمرے سے نکل کر باورچی خانے کی طرف بڑھی۔ پھر وہ اس باورچی خانے کا عقبی دروازہ کھول کر باہر آئی تو سرد ہوا کی لہر نے اس کا استقبال کیا۔ سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ تیز ہوا کے جھونکے درختوں کے پتوں کا منہ چوم رہے تھے۔ اس وجہ سے فضا میں ہلکی ہلکی سی سرسراہٹ پیدا ہو گئی تھی جیسے کوئی سرگوشیاں کر رہا ہو۔ پھر وہ بے خودی کے عالم میں سرونٹ کوارٹرز کی طرف بڑھی۔ چند قدم چل کر ایک دم سے ٹھٹک کے رک گئی۔ اس کے دل نے پوچھا۔

"کیا ہوا سنگیت؟"

"وہ جاگ رہا ہے.........." اس نے دھڑکتے دل کو جواب دیا۔ "میں سمجھی تھی وہ سو رہا ہو گا۔"

سعید کبیر کے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن نیچے سے روشنی جھانک رہی تھی۔ سعید

کبیر ابھی سوئے کیوں نہیں؟ کیا انہیں بھی کسی کی یاد سونے نہیں دے رہی ہے؟ شاید صنوبر کی یاد ہو گی۔ اس کے تقریب میں نہ آنے سے وہ کتنے دکھی اور پریشان ہو گئے تھے۔ کیا اس عورت نے ان کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر کیا ہے؟ پھر اس نے اپنے دل کو سمجھایا۔ جب وہ صنوبر کو دل و جان سے پسند کرتے ہیں تو تم کیوں سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ دل کے ہاتھوں مجبور کیوں ہو رہی ہو؟ تم ایک حقیقت پسند لڑکی ہو۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ دل کے سودے کیسے ہوتے ہیں۔ سنگیت! تمہیں اس راستے پر دکھ اور زخموں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

پھر وہ اپنے کمرے میں آ کر کسی کٹی پتنگ کی طرح بکھر گئی۔ اس کے دل کے کسی کونے میں درد کی لہر اٹھی اور سارے جسم میں پھیل گئی۔ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟ کتنی عجیب سی بات ہے کہ اسے سعید کبیر یاد آئے۔ وہ انہیں دل دے بیٹھی اور محبت کی آگ میں جل رہی ہے۔ اس کے سارے وجود میں جو آگ لگی ہوئی ہے .... کیا وہ بجھ سکے گی؟ وہ اسے بجھا سکتی ہے۔

شام کے پانچ بجے وہ اپنا بستہ لے کر سٹڈی روم میں پہنچی تو اس کا انداز کسی روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح تھا۔ اس نے بڑی بے دلی سے سعید کبیر کو سلام کیا۔ خاموشی سے اپنی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنا بستہ کھولنے لگی۔ تب بے بی نے اس سے کہا۔ "آنٹی! آپ نے کل رات پارٹی میں جتنے بھی گانے گائے تھے وہ سب مجھے بہت اچھے لگے۔"

"شکریہ بے بی!" سنگیت نے اس کی طرف جھک کر اس کا رخسار تھپتھپایا۔ "تم نے میرے پورے گانے..........؟"

"آنٹی! مجھے بھی آپ کے گانے بہت اچھے لگے۔ دوسروں کے گانے بالکل بھی پسند نہیں آئے۔" حسان نے کہا۔

"شکریہ.........." سنگیت نے اس کی طرف دیکھا۔ "تم بھی اتنی رات تک جاگتے رہے لیکن حسان! وہاں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جنہیں میری آواز ذرا بھی پسند نہیں آئی' وہ بیزار ہو گئے۔" سنگیت نے طنز بھرے لہجے میں کہا اور ان کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا۔

سعید کبیر بے بی کی کاپی پر کچھ لکھ رہے تھے۔ وہ سنگیت کی بات سن کر بڑے زور سے چونکے اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "میرے خیال میں وہاں ایک بھی ایسا بدذوق موجود نہیں تھا جس نے آپ کی آواز کو ناپسند کیا اور سراہا نہ ہو۔"

"جی تھے' کیوں نہیں تھے۔" اس نے تکرار کی۔ "میں نے اس بات کو بری طرح محسوس کیا ہے۔ مجھے اس بات پر دکھ بھی ہوا تھا۔"

"معلوم نہیں آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟ مجھے ذرا ان کے نام تو بتائیں .... کیا کسی نے آپ پر طنز کیا؟ پھبتی کسی تھی؟"

"میں نے گانے کسی کی زبان سے مبارکباد یا تعریف سننے اور داد حاصل کرنے کے لئے نہیں گائے تھے' نہ میں اس کی بھوکی ہوں۔" سنگیت نے تڑ سے جواب دیا اور بستے سے بنگلہ زبان کی کتاب نکال کر غصے سے اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

"میں نے آپ کو مبارکباد پیش نہیں کی تھی۔" سعید کبیر بولے۔ "بات یہ تھی کہ آپ کو آپ کے پرستاروں نے گھیر لیا تھا۔ اس لئے میں نے اپنی ٹانگ اڑانا اور کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں کیا۔ پھر آپ نازنین کے ساتھ اندر چلی گئیں۔"

"میں آپ کو الزام تو نہیں دے رہی ہوں۔" اس نے ایک لمحے کے لئے سعید کبیر کو دیکھا' پھر کتاب کے اوراق پلٹنے لگی۔

"میں نے کب کہا کہ آپ مجھے الزام دے رہی ہیں۔" سعید کبیر مسکرائے اور اس کے تمتمائے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگے۔ وہ اور حسین دکھائی دے رہی تھی۔ "لگتا ہے کہ آپ مجھ سے سخت ناراض ہیں؟ کیوں؟"

"میں بھلا ناراض کیوں ہونے لگی..........؟"

سنگیت بے رخی سے بولی۔ "آخر ناراضگی کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔"

"شاید آپ اس لئے ناراض ہیں کہ کل میں نے نظامت پوری توجہ سے نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مس صنوبر نہیں آئی تھیں۔ میرا سارا دھیان ان کی طرف تھا اور ان کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ آ جاتیں تو بہت اچھا ہوتا۔ اس لئے بھی کہ وہ بہت اچھا گاتی ہیں۔ ان کے آنے سے محفل میں بڑی رونق آ جاتی۔ گانے کی محفل اور جم جاتی

اور دیر تک جاری رہتی۔"

"کیا وہ ہماری آنٹی سے بھی بہت اچھا گاتی ہیں؟" بے بی نے پوچھا۔ "میرا خیال ہے آنٹی سے کوئی بھی اچھا نہیں گا سکتا۔"

"یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ کس کی آواز بہت اچھی ہے۔ اس لئے کہ فنکاروں کے دل بڑے نازک ہوتے ہیں۔ شیشوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ذرا سی ٹھیس لگنے پر ٹوٹ جاتے ہیں۔" سعید کبیر جواب دے کر زیر لب مسکرانے لگے۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ ایک دن مس صنوبر کے ساتھ شام منالی جائے اور صرف ان سے ہی سنا جائے۔ کیوں مس سنگیت! آپ کیا فرماتی ہیں؟"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سنگیت بے دلی سے بولی۔ "آپ جانیں' آپ کی دوست۔ آپ مجھے بیچ میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ سارا انتظام آپ کو کرنا ہے۔" وہ بولے۔ "یہ محفل گھر کے افراد تک محدود ہو گی۔ اس کے تمام اخراجات میں برداشت کروں گا۔"

"جس روز آپ یہ پروگرام رکھیں گے اس سے ایک روز قبل مجھے بتا دیں۔" سنگیت نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں کل مس صنوبر سے مشورہ کر کے آپ کو بتاؤں گا۔" سعید کبیر نے کہا۔ "کیا آپ اس سے ملنا پسند کریں گی؟ وہ بہت سویٹ لڑکی ہے۔"

"میں ان سے مل کر کیا کروں گی۔" سنگیت نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "جس روز ان کے اعزاز میں تقریب ہو گی میں اسی روز ان سے مل لوں گی۔ نازنین اور سارے گھر والے بھی مل لیں گے .... کیا آج پڑھائی نہیں ہو گی بس مس صنوبر کا ذکر ہوتا رہے گا؟"

☆======☆======☆
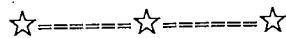
سنگیت سارے کام ختم کر کے باورچی خانے سے نکلی تو دن کے بارہ بج رہے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے ثمرین گاڑی لے کر بچوں کو اسکول سے لانے جا چکی تھی۔ بوا سارے کام نمٹا کر گھر جا چکی تھیں بیگم رشیدہ بانو اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ وہ

سعید کبیر کا کمرہ ٹھیک کرنے کے خیال سے اس طرف بڑھ گئی۔ دو دن پہلے تو اس نے ان کا کمرہ ٹھیک کیا تھا۔

دو تین دنوں میں سعید کبیر نے کمرے میں حالت عجیب سی کر دی تھی۔ نیلم کی سالگرہ کی وجہ سے وہ دو دن سخت مصروف رہی تھی۔ اس لئے وہ ان کا کمرہ ٹھیک کرنے نہیں آئی تھی۔ وہ اس قدر بے پرواہ ثابت ہوں گے اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اسے رہ رہ کر بوا پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ وہ جھاڑو دینے کے سوا کوئی اور کام نہیں کرتی تھی۔ اسے ہی روز آ کر ان کا کمرہ ٹھیک کرنا پڑتا تھا۔ بوا نے آج ان کے کمرے میں جھاڑو بھی نہیں لگائی تھی۔ اب اسے بوا کی خبر لینے کی ضرورت تھی۔ آخر وہ کس بات کی تنخواہ لیتی ہے؟ وہ کیوں سوچتی ہے کہ سعید کبیر اس خاندان کے فرد نہیں ہیں۔

وہ بستر کی چادر اور تکیے درست کرنے بڑھی تو کوئی سخت چیز اس کے پیر سے ٹکرائی۔ اس نے جھک کر دیکھا تو وہ ایک خوبصورت سی ڈائری تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر اسے کھول لیا۔ ڈائری کے بہت سارے صفحات کو انہوں نے سیاہ کر رکھا تھا۔ ان کی لکھائی بہت خوبصورت تھی۔ ٹیوشن پڑھاتے وقت وہ اس کی اور بچوں کی کاپیوں پر لکھتے تھے۔ ان کی تحریر روز ہی نظروں سے گزرتی تھی۔ اس نے ایک صفحہ نہ چاہتے ہوئے بھی پڑھنا شروع کیا۔

"میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کوئی میری زندگی میں چپکے سے آ جائے گا۔ یوں میرے دل و دماغ پر چھا جائے گا۔ اب تو میں یوں محسوس کرنے لگا ہوں کہ اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بظاہر اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن جب دل کا رشتہ قائم ہوتا ہے تو بے شمار رشتے قائم ہو جاتے ہیں۔ رشتے دراصل مختلف پردوں اور دیواروں کے نام ہیں۔ جب اس سے میں نے اپنا رشتہ ناطہ قائم کر لیا ہے تو اب کوئی پردہ اور دیوار حائل نہ ہونا چاہئے؟ مگر یہ بات کیسے ممکن ہے۔ اس نے کبھی ایسی بات نہیں کہی اور نہ اس کی کسی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مجھے اپنے دل میں جگہ دے دی ہے۔ عورت کتنی گہری، پُراسرار اور ناقابل فہم ہوتی ہے۔ باہر سے روپ جتنا آسان معلوم ہوتا ہے اتنا ہی مشکل دل کا حال معلوم کرنا ہے۔"

سنگیت یہ صفحہ پڑھنے کے بعد ڈائری کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ محترم نے مس صنوبر کے بارے میں یہ سب کچھ لکھا ہے۔ وہ اس کے اتنا قریب رہ کر اتنا دور کیوں ہیں۔ صنوبر تو ان کی دیوانی ہے۔ ہر دن میں ایک ایک بار اس کا ٹیلی فون آتا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ انہیں دیوانگی کی حد تک چاہتی ہے، اگر نہ چاہتی ہوتی تو انہیں فون کر کے مختلف حیلے بہانوں سے کیوں بلاتی ہے۔ کیا اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا؟

معاً اس کی ایک اور صفحے پر نظر پڑی تو وہ اسے پڑھنے لگی۔

"جب تمہیں دیکھا نہیں تھا اور تم سے ملا نہیں تھا تب میں نے کبھی کسی عورت کے بارے میں سوچا نہیں تھا اور پھر مجھے اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس ہوتا تھا۔ دنیا بڑی بے کیف اور پھیکی سی تھی۔ اس دنیا سے میرا دل اس لئے بھی اچاٹ تھا کہ یہ دنیا پیسے والوں کی ہے، یہاں صرف اس کی عزت کی جاتی ہے جس کے پاس دولت ہو۔ خود غرضی ہر ایک کی نس نس میں زہر کی طرح سرایت کی ہوئی ہے۔ آج کی عورت بھی کسی مرد سے محبت کرتی ہے تو وہ جیب سے مشروط ہوتی ہے۔ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتی ہے۔ قدم قدم پر ریاکاری ہے، ایسے دور میں، میں نے انکل محمد علی کو ایک عظیم انسان پایا۔ میرے والد ایک غریب آدمی ہیں لیکن انکل نے ان سے دوستی نبھائی۔ وہ تو میرے لئے اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر پہلے کچھ کرنا چاہتے تھے مگر میں نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے اور جدوجہد کرنے دیجئے تاکہ میں دنیا کو اپنی شناخت کرا سکوں۔ مجھے بیساکھیوں پر چلنے کی عادت پڑی تو میں کچھ نہ کر سکوں گا۔

میرے دل، میرے دوست، میرے خواب میری محبت، بات تو تم سے ہو رہی تھی۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ دنیا ایک جھوٹ معلوم ہوتی ہے۔ مکر و فریب کا راج ہے۔ مگر اب تمہارے سوا سب کچھ جھوٹ لگتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی اور اس دنیا میں حسن کا احساس پہلی مرتبہ ہوا جب میں نے تمہیں دیکھا۔ جب تم ملیں تو تم نے میرے دل کے سوئے ہوئے تاروں کو اس طرح سے چھیڑ دیا جیسے کوئی ستار کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔ مجھے زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہوا کہ میں ایک آدمی بھی ہوں۔ زندگی کا طویل -فراکیلا

نہیں کاٹا جا سکتا۔ اسے رفاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب میں اتنی دور نکل آیا ہوں کہ لوٹ نہیں سکتا۔ تم آج نہ سہی، کل نہ سہی کسی دن جان جاؤ گی کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ میری محبت تمہیں برف کی طرح پگھلا کر رکھ دے گی۔"

یہ سب کچھ ڈائری میں لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ سنگیت نے دل میں سوچا۔ کیا یہ صفحہ صنوبر کی نظروں سے گزرے گا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جناب یہ ڈائری تحفتاً محترمہ کی خدمت میں پیش کر دیں تاکہ وہ انہیں پڑھیں۔ کیا معلوم وہ بھی کوئی ڈائری لکھ رہی ہوں؟ اپنا حال دل اس میں رقم کر رہی ہوں، کسی وقت وہ دونوں آپس میں اپنی اپنی ڈائری کا تبادلہ کر لیں۔ میرے خیال میں تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ جناب اس صفحے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی محترمہ صنوبر کو ارسال فرما دیں۔ اس طرح سے مس صنوبر کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی محبت کی آگ میں کوئی یکطرفہ جل رہا ہے، ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہے، سنسان راتوں کو دیر تک بیٹھ کر ڈائری لکھتا ہے، تصورات میں صرف اسے ہی دیکھتا رہتا ہے۔ محترمہ کو شاید ترس آ جائے۔ وہ بھی فوری طور پر ایک جوابی محبت نامہ کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی ارسال فرما دیں۔

آگے لکھا تھا:

"ایک روز میں بے دھیانی میں تمہارے کمرے میں آ گیا۔ اس روز مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم گھر پر نہیں ہو۔ اس روز نہ جانے کیوں میں جذباتی ہو رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ میں تمہیں پا نہ سکوں گا۔ میں نے کتنی بڑی غلطی کی کہ ایک ایسی بے رحم اور سنگدل لڑکی سے محبت کی جو میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی ہے۔ میں نے اپنے آپ کو یہ فریب کیوں دیا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میں نے کیوں، کیسے اور کس لئے فرض کر لیا کہ تم بھی مجھے چاہنے لگی ہو لیکن یہ طلسم جلد ہی ٹوٹ گیا۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ تمہارے من کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ میری زندگی میں خزاں کی ویرانی بھرتا ہوا کسی سنسان سڑک پر روٹھ کر چل دے گا۔ اب تبسم کی پنکھڑیاں نہیں گرا کریں گی۔ اب تو تمناؤں کے سوکھے ہوئے پتے میری تنہائی کی شاخوں سے ٹوٹ کر پھڑپھڑاتے رہیں گے۔ پھر ایک دن سوکھے ہوئے پتوں کا ڈھیر اتنا بڑا ہو جائے گا کہ کوئی اس میں میرے وجود کو تلاش

نہیں کر سکے گا۔ پھر میں سوچنے لگا کہ تمہارے جانے کے بعد اس کمرے کو بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس میں کوئی نہیں رہے گا، کوئی مہمان یا رشتہ دار آ کر ٹھہرے گا۔ اس کمرے میں تمہاری خوشبو تھی۔ ہر چیز میں تمہارا حسین عکس نظر آ رہا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ تمہارے یہاں سے جانے کے بعد ہم اپنی اپنی دنیاؤں میں کھو جائیں گے۔ تم شاید مجھے بھول جاؤ مگر میں تمہیں بھلا نہ سکوں گا۔ تمہاری یاد کا چراغ میرے دل میں سدا روشن رہے گا۔ زندگی کے کسی موڑ پر تم سے برسوں کے بعد اچانک ملاقات ہو گی تو ایک دم پہچان نہیں پاؤ گی لیکن میں پھر بھی تمہیں پہچان لوں گا۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے اجنبیوں کی طرح ملیں گے تب کیا ہو گا؟ نہیں!.......... میری زندگی میں ایسا دن کبھی نہیں آئے گا۔ اگر ایسا لمحہ آیا تو کیا ہو گا.........؟"

معاً سنگیت کی نگاہ دیوار گیر گھڑی پر پڑی۔ ایک بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔ اس نے ڈائری بند کر کے میز پر رکھ دی۔ ٹھیک ایک بجے ثمرین بچوں کو لے کر گھر پہنچتی تھی میز پر فوراً کھانا چن دیا جاتا تھا۔ اس لئے اس نے جلدی جلدی کمرہ ٹھیک کیا۔ پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسی وقت اس نے گاڑی کے ہارن کی آواز سنی۔

وہ کسی کام سے چند لمحوں کے بعد نشست گاہ میں آئی تو ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اس نے لپک کر ٹیلیفون اٹھا لیا کہ شاید اس کا ہو۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف صنوبر تھی۔ ایک مرتبہ اس کی آواز سننے کے بعد وہ اس کی آواز پہچان گئی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ صنوبر کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کے بولتی تھی۔ اس کے دل پر ایک چابک سی لگی اس نے پوچھا۔ "سعید کبیر صاحب ہیں؟"

"جی نہیں ہیں۔" سنگیت نے بڑی سرد مہری سے جواب دیا۔ "وہ چار بجے کے بعد آتے ہیں۔ آپ شام کے وقت ٹیلیفون کر لیں۔"

"ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.........؟" صنوبر کے لہجے میں ایک عجیب سی افسردگی بھری تھی۔

"جی ہاں .... وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ ایک دم فرسٹ کلاس ہیں۔ آپ سے کس نے کہہ دیا ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

”کہا تو کسی نے نہیں۔“ اس کی آواز میں جو افسردگی تھی وہ اور گہری ہو گئی۔ ”کل شام انہوں نے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر نہیں آئے اور نہ ہی انہوں نے ٹیلیفون کر کے آنے کے بارے میں کچھ بتایا۔ میں ابھی ابھی ان کی راہ دیکھ کر فون کر رہی ہوں۔ وہ شام کو آئیں تو ان سے کہیں کہ صنوبر کا فون تھا۔ وہ مجھے ضرور فون کر لیں۔ مجھے ان سے بے حد ضروری کام ہے۔ بھولیں نہیں‘ یاد رہے گا نا؟“

”جی اچھا کہہ دوں گی۔“ سنگیت نے جل کر سپاٹ لہجے میں کہا۔ پھر پوچھا۔ ”کوئی اور حکم.........؟“

”جی نہیں.........“ صنوبر کا لہجہ بجھ سا گیا تھا۔ ”اچھا آپ کون بول رہی ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے؟“

”کون.........؟ میں اس گھر کی نئی ملازمہ شکورن ہوں۔ اچھا‘ خدا حافظ!“ اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

”اچھا تو آپ سنگیت سے شکورن ہو گئی ہیں؟“ شوخ آواز اس کے عقب میں لہرائی۔

سنگیت ایک دم سے اچھل پڑی۔ اس نے تیزی سے گھوم کر دیکھا۔ نازنین اس کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بجلی کی سی چمک تھی۔ اس نے پوچھا۔ ”باجی! آپ نے کس کو اپنا نام شکورن بتایا۔ کیا ٹیلیفون پر کوئی آپ کو تنگ کر رہا تھا؟“

”یہ خاتون ہمارے سر کی گرل فرینڈ مس صنوبر تھیں۔“ سنگیت نے جواب دیا۔ ”وہ سر کو پوچھ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ انہوں نے میرا نام اور میرے بارے میں پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ میرا نام شکورن ہے۔ میں نئی ملازمہ ہوں۔“

”آپ نے اپنا نام بھی خوب بتایا۔“ نازنین ہنسنے لگی۔ ”اکثر ملازماؤں کے نام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جانے کیوں ایسے نام رکھتی ہیں۔“

”تمہیں سر کی گرل فرینڈ مس صنوبر سے ملنے کا اتفاق ہوا۔“ سنگیت نے پوچھا۔ ”وہ کیسی ہیں؟ کیا چیز ہیں؟“

”نہیں۔“ نازنین نے سر ہلایا۔ ”صرف ٹیلیفون پر اس سے اکثر بات ہوئی۔ آپ

کے سر اس کی بڑی تعریف کرتے رہتے ہیں۔“

شام کے وقت وہ پڑھنے کے لئے سٹڈی روم پہنچی تو سعید کبیر کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے سنگیت کے حسین چہرے پر نظریں مرکوز کر کے پوچھا۔ ”مس سنگیت! نئی ملازمہ شکورن کہاں ہے؟ میں اس سے ابھی تک نہیں ملا ہوں۔“

سنگیت چونکی اور اس نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ ”اچھا تو آپ کی ملاقات مس صنوبر سے ہو گئی؟“

”جی ہاں.......... ان سے ملاقات ہو گئی لیکن آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ شکورن کون ہے؟ کب سے آئی ہے؟“

”شکورن میں ہوں۔“ وہ جزبز ہو کر تیز لہجے میں بولی۔ ”آپ کو کوئی اعتراض ہے۔ اب میں نے اپنا نام شکورن رکھ لیا ہے۔“

”آپ اس قدر ناراض کیوں ہو رہی ہیں؟“ سعید کبیر مسکرا دیئے۔ ”کیا مس صنوبر نے آپ سے کوئی غلط بات کہہ دی؟“

”میں نے کب کہا کہ انہوں نے غلط بات کی؟“ سنگیت کی نگاہیں ان کے چہرے سے کنی کترا رہی تھیں۔

”میں نے محسوس کیا ہے کہ جب بھی اس بے چاری کا ٹیلیفون آتا ہے آپ کے ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں۔“ وہ سنجیدہ سے ہو گئے۔

”ان کے ایک چھوڑ روزانہ دس ٹیلیفون آئیں میری بلا سے‘ بھلا میں کیوں ناراض ہونے لگی۔“ وہ تیزی سے بولی۔ ”اگر انہیں ٹیلیفون پر میرا بات کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے تو ان سے کہیں کہ وہ ٹیلی فون کرنے کے بجائے آپ سے ملنے گھر آ جایا کریں۔“

”ٹھیک ہے۔“ سعید کبیر مسکرانے لگے۔ پھر وہ اس کے تمتمائے ہوئے چہرے سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔ ”میں آپ کا یہ پیغام کل مس صنوبر کو پہنچا دوں گا۔“

سنگیت نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ غصے سے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی ہوئی کتاب کے اوراق پلٹنے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد ثمرین نے آ کر کہا۔ "کبیر بھائی! صنوبر کا ٹیلیفون آیا ہے۔ میں نے ہولڈ کرایا ہوا ہے۔"

"صنوبر کا.........؟" وہ اپنی گود میں رکھی ہوئی کاپی میز پر رکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔ آنکھوں میں چراغ جل اٹھے تھے۔ "شکریہ .... میں آ رہا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے نشست گاہ کی طرف لپک گئے۔

چند لمحوں کے بعد سنگیت اپنی جگہ سے اٹھی اور نشست گاہ کی طرف تیزی سے بڑھی اور دروازے کے پاس ٹھٹک کے رک گئی۔ سعید کبیر کی پشت اس کی طرف تھی۔ وہ ان کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھی۔ البتہ ان کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "صنوبر! کل شام آپ پانچ بجے رضا گرین پارک کے ریسٹورنٹ میں مل جائیں .... آپ میرے ٹیوشن کی فکر نہ کریں' میں کل نہیں پڑھاؤں گا......... ایک دن نہ پڑھانے سے کوئی حرج نہیں ہو گا۔ آپ مجھے ٹیوشن سے زیادہ عزیز ہیں۔ جی......... جی اچھا......... آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔ اللہ حافظ......... اللہ حافظ........."

سعید کبیر کے ریسیور رکھنے سے پہلے ہی وہ تیزی سے گھوم کر سٹڈی روم میں پہنچی۔ اپنی کتاب سنبھال کر انجان بن کر پڑھنے لگی۔ چند ثانیوں کے بعد سعید کبیر آ کر اپنی کرسی پر بیٹھے تو اس نے کتاب کا صفحہ الٹتے ہوئے ان کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا۔ ان کے چہرے پر جیسے خوشی کا کوئی چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔ سنگیت کے دل پر چوٹ لگی۔ وہ صنوبر کو کتنا چاہتے ہیں۔

"انکل! آج آپ بہت خوش دکھائی دے رہے ہیں؟" حسان نے پیار بھرے انداز سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"ہاں......... آج میں بہت خوش ہوں۔ جب کسی کو اپنی منزل مل جاتی ہے تو اس کی مسرت کی انتہا نہیں رہتی ہے۔" سعید کبیر نے جواب دیا۔

سنگیت کے دل پر ایک چابک سی لگی۔ اس نے انہیں کبھی اتنا خوش اور سرشار نہیں دیکھا تھا۔ وہ کل صنوبر سے ملنے کس لئے جا رہے ہیں؟ آج ہی تو اس سے مل کر آئے ہیں۔ پھر کس لئے صنوبر کا ٹیلیفون آ گیا۔ منزل سے مراد شادی تو نہیں؟ شاید صنوبر کے گھر

والوں نے اسے اپنی پسند کی شادی کی اجازت دے دی ہے۔ شاید صنوبر نے انہیں کل شام ملنے کے لئے رضا گرین پارک بلایا ہے۔

"انکل!" بے بی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "یہ منزل کیا ہوتی ہے؟"

"میں بتاؤں۔" حسان نے سینہ تان کر بڑے فخر سے کہا۔ "ہمارے گھر کے سامنے سپنا منزل ہے نا اسے منزل کہتے ہیں۔ انکل نے کوئی منزل خرید لی ہے۔"

سعید کبیر ایک دم سے ہنس پڑے۔ سنگیت بھی اپنی ہنسی روک نہ سکی جبکہ اس کا دل اندر سے زخمی ہو چکا تھا اور وہ خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس پر کوئی بجلی سی آ گری تھی۔ سعید کبیر اور بچے اس کے زخم اور غم سے بے نیاز تھے۔ یہ دل کے زخم تھے جو کسی کو دکھائے نہیں جاتے تھے۔ اس پر ایک ایک لمحہ کسی صدی کی طرح بھاری تھا۔ اس نے سوچا اٹھ کر چلی جائے مگر اٹھ نہ سکی۔

"نہیں بچو! میری جو منزل ہے اس منزل سے مختلف ہے۔ منزل اسے کہا جاتا ہے جو دل کی مراد ہوتی ہے۔ جو خواب ہم دیکھتے ہیں وہ پورا ہو جاتا ہے۔ مثلاً تم ایک روز بائیسکل کا خواب دیکھتے ہو۔ تمہاری امی کہتی ہیں کسی دن لا دوں گی۔ کئی دنوں کے بعد وہ لا دیتی ہیں۔ جب کسی کو اپنی پسند کی کوئی چیز ملتی ہے تو اسے کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح آج مجھے بھی ہو رہی ہے۔"

"آپ کی منزل کیا تھی انکل!" حسان نے پوچھا۔ "ہمیں بھی بتایئے نا......... اس خوشی میں مٹھائی بھی کھلائیں۔"

"میری منزل!" سعید کبیر نے سنگیت کے چہرے کی طرف دیکھا۔ سنگیت کے شہابی چہرے پر ایک دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ کسی فیوز بلب کی طرح بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات سے ایک اضطراری سی کیفیت نمایاں تھی۔ پھر وہ بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔ "کل میں مٹھائی لے کر آؤں گا تو بتاؤں گا......... اس خوشی میں کل کی چھٹی۔"

دونوں بچے خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔ "واہ......... واہ......... انکل زندہ باد......... مٹھائی بھی زندہ باد۔ چھٹی بھی زندہ باد۔"

"کل کی چھٹی کی خبر سے آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی؟" سعید کبیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "یہ آپ اتنی سنجیدگی سے کیا سوچ رہی ہیں؟"

"میں کوئی بچی نہیں ہوں۔" سنگیت نے تنک کر جواب دیا۔ اس کے لہجے میں اداسی گھلی ہوئی تھی۔ "میں تین کا پہاڑا یاد کر رہی ہوں۔"

"میں نے کب کہا کہ آپ بچی ہیں لیکن آپ طالب علم تو ہیں۔ طلبا و طالبات کو چھٹی کی بڑی فکر رہتی ہے۔" سعید کبیر بولے۔

"کیا آپ کو آج پڑھانا نہیں صرف باتیں کرنا ہیں؟" وہ تیزی سے بولی۔ "اگر ایسا ہے تو پھر مجھے چھٹی دے دیں۔"

"جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ پڑھاؤں نہیں باتیں کروں' صرف باتیں۔" سعید کبیر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔

"آپ بچوں سے باتیں کریں میں جا رہی ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سنگیت کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر وہ کتاب اور بستہ سنبھال کر کمرے سے تیر کی مانند نکل گئی۔ سعید کبیر اسے روکتے ہی رہ گئے۔ سنگیت نے ان کی ایک بھی نہیں سنی۔

سنگیت رات سونے کے لئے بستر پر لیٹی تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کے دماغ میں ایک عجیب سی کشمکش ہو رہی تھی۔ جیسے آج قیامت کی رات ہو۔ اس کی زندگی کی آخری رات ہو۔ اس کے زخموں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ آج ان آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا جو خواب دیکھتی ہیں۔ آنے والے دنوں کے خواب۔ اسے خواب نے کیا دیا؟ کیا اندر کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ ایک دروزہ بھی کھلا نہیں رہے گا.........؟ اس کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی اور پورے جسم میں پھیل گئی۔

یہ صنوبر کہاں سے آ گئی؟ اس نے جس شخص سے محبت کی وہ کسی اور کا کیوں ہے؟ اس کا کیوں نہیں ہے؟ اس نے اپنا خواب پانے کے لئے کتنا لمبا اور اذیت ناک سفر طے کیا ہے۔ اگر وہ چھن گیا تو پھر وہ کسی سے محبت نہ کر سکے گی۔ عورت تو صرف ایک بار محبت کرتی ہے۔ اس صنوبر نے تو اس کی نسوں میں زہر بھر دیا۔ اب وہ ان کا چہرہ اپنے من کے نہاں خانے سے کبھی کھرچ نہیں سکے گی؟ وہ صنوبر کو اپنے راستے سے ہٹا دے گی۔ سعید

کبیر کو پانے کے لئے وہ بہت کچھ کر سکتی ہے۔

سنگیت کے سرکش خیالات ندی میں تیرتی ہوئی چھوٹی مچھلیوں کی طرح دماغ میں گردش کر رہے تھے۔ آج سعید کبیر کی صنوبر سے ٹیلیفون پر گفتگو سن کر اس کے دل کو ایک زبردست دھچکا لگا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی چاہت میں والہانہ پن اور دیوانگی بھی ہے۔ اس لئے وہ اسے پانے کے خیال سے بہت خوش اور سرشار تھے۔

چند لمحوں کے بعد اس نے اپنے آپ کو ان کے دروازے پر پایا۔ اس نے دیکھا کمرے کا دروازہ پوری طرح بند نہیں ہے بلکہ بھڑا ہوا ہے۔ ایک جھری سی بن گئی تھی۔ کمرے کے اندر نائٹ بلب جل رہا ہے۔ اس کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ اندر کمرے کی ہر چیز کسی قدر صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے دروازے پر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ رکھا تو اس کی نس نس میں چنگاریاں بھر گئیں۔ کیا وہ دروازے بند کر کے نہیں سوتے؟ کیا رات انہیں کسی کا انتظار رہتا ہے؟ اس کے دل میں ایک نادیدہ آواز نے سرگوشی کی۔ یہ کیا پاگل پن ہے سنگیت! وہ یہاں کس لئے آئی ہے؟ کیا لینے آئی ہے؟ کیا کوئی اس طرح حاصل کر سکتا ہے؟ وہ اس کے بارے میں کیا خیال کریں گے؟ کیا سوچیں گے؟ کیا وہ خود اپنی اور ان کی نظروں میں گر نہیں جائے گی؟ وہ رسوائی مول نہ لے واپس چلی جائے۔ اسے بھیک میں کچھ نہیں ملے گا۔ تم ایک ماسی ہو اور رہو گی۔ ساری زندگی محبت کے لئے ترستی رہو گی' پیاسی رہو گی' تمہاری محبت کی پیاس کبھی نہ بجھے گی۔ واپس جاؤ سنگیت! واپس جاؤ.........

نہیں .... اب وہ منزل پر پہنچ کر واپس نہیں جائے گی۔ اس نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا تو وہ چرچرایا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بگڑنے لگیں۔ کہیں وہ بیدار نہ ہو جائیں۔ مگر اب تو اسے کسی بات کا خوف نہیں تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے دیکھا سعید کبیر کا جسم لحاف میں چھپا ہوا ہے۔ صرف چہرہ باہر تھا۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی دلکشی چھائی ہوئی تھی۔ سارے چہرے پر ایک میٹھی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ خوابوں کے نگر آباد کئے ہوئے تھے۔ کیسی گہری نیند تھی۔ کسی قوت کے زیر اثر وہ ان کے سرہانے بیٹھ گئی۔ بکھرے بالوں کو سہلانے لگی۔ بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

پھر بھی وہ بیدار نہیں ہوئے۔ کیسی گہری نیند سو رہے تھے۔ جوانی کی نیند بھی کیسی مدہوش کن ہوتی ہے؟

پھر وہ پُرخیال نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔ پھر کسی خیال سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ معاً اس کی نظر میز پر رکھی ہوئی ڈائری پر پڑی۔ ڈائری کے ساتھ قلم رکھا ہوا تھا۔ جیسے وہ رات دیر تک بیٹھے ڈائری لکھتے رہے ہوں۔ ڈائری لکھ کر سوئے ہوں۔ معلوم نہیں اسے کیا خیال آیا۔ وہ ڈائری اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی تو اس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ سانسیں پھول رہی تھیں۔ اس نے اپنی زندگی میں یہ پہلی چوری کی تھی۔ اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سب سے قیمتی چیز چرا کے لے آئی ہو۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ انہوں نے اپنی ڈائری میں صنوبر کے بارے میں کیا لکھا ہے جس نے انہیں خوشی سے سرشار کر دیا تھا۔

اس نے اندر سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگالی۔ پلنگ پر بیٹھ کر بیڈ لیمپ روشن کیا۔ پھر بستر پر نیم دراز ہو کر ڈائری کے اوراق پلٹنے لگی پھر اس نے آج کی تاریخ میں لکھا ہوا صفحہ تلاش کیا۔ آج سعید کبیر نے جو کچھ لکھا تھا وہ ڈائری کے دو تین صفحات پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ دھڑکتے دل سے پڑھنے لگی۔ انہوں نے لکھا تھا۔

”آج کا دن بے پناہ مسرت کا ہے۔ آج جو خوشی صنوبر کو ملی ہے وہ بے پایاں ہے۔ ایسی خوشی بہت کم کسی کی زندگی میں آتی ہے۔ سچ پوچھو تو آج صنوبر کی زندگی میں سچی خوشی اور بہار آئی ہے۔ میں نے صنوبر کو بہت مخلص پایا۔ میں نے اب تک جن جن لڑکیوں کو پڑھایا ان میں سب سے زیادہ دکھی صنوبر ہی تھی۔ وہ بچپن سے دکھ اٹھاتی آ رہی ہے۔ اس کا ذمے دار کون ہے؟ اس میں قصور کس کا ہے؟ میرے خیال میں اس کی ماں قصوروار ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ نبھاہ نہیں کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کی شادی اس کے والدین نے اس کی مرضی کے خلاف ایک عام شخص سے کر دی۔ وہ خوبصورت اور وجیہہ نہیں تھا۔ اس کی مالی حیثیت بھی ایسی نہ تھی کہ وہ صنوبر کی ماں کو ایک خوابناک زندگی دے سکے۔ صنوبر کی ماں بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ حسین اور جاذبیت سے بھرپور تھی۔ اسے اپنے حسن و شباب پر بڑا ناز تھا۔ ماں باپ کی دولت کا بڑا زعم تھا۔

اس کا شوہر یہ چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اس کے گھر میں ساتھ رہے۔ اس کے بازوؤں کی کمائی پر زندگی گزارے۔ مگر اس عورت نے اپنے شوہر کو زر خرید غلام سمجھ لیا تھا۔ ازدواجی زندگی کا دورانیہ صرف چار ماہ تک رہا۔ پھر صنوبر کی ماں نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ نو ماہ کے بعد صنوبر پیدا ہوئی۔ صنوبر کے باپ نے اصولوں پر سودا نہیں کیا۔ ایک بات سب سے اچھی یہ ہوئی کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ اتنی شدید نفرت کے باوجود صنوبر کی ماں نے نہ تو طلاق مانگی اور نہ خلع کی درخواست دی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا شوہر کسی دن خود ہی کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا۔ اس طرح وقت گزرتا گیا۔

صنوبر نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو باپ کی کمی شدت سے محسوس کرنے لگی۔ وہ اس میں حق بجانب تھی۔ وہ اپنے باپ سے ملنے لگی۔ ماں نے اس کے دل میں بچپن سے ہی جو نفرت کا زہر بھرا تھا اسے صنوبر نے نکال پھینکا۔ باپ ایسا نہ تھا جیسا اس کی ماں بتاتی رہی تھی۔ وہ جب بھی اپنے باپ سے ملنے اس کے گھر جاتی تھی وہ اسے بہت ساری چیزیں دیتا تھا۔ صنوبر کو چیزوں کی نہیں باپ کی محبت کی ضرورت تھی۔ جب صنوبر کی ماں کو پتا چلتا کہ وہ اپنے باپ سے مل کر آئی ہے تو وہ غیظ و غضب سے پاگل سی ہو جاتی تھی۔ اپنے شوہر کو بے تحاشا گالیاں بکتی تھی اور اپنی نوجوان بیٹی کو بھی نہیں بخشتی تھی۔

میں نے نفرت کی اس دیوار کو گرانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں یہ چاہتا تھا کہ صنوبر کی ماں اپنے خاوند سے صلح کر لے۔ انہیں ایک مرد کے سہارے کی ضرورت ہے۔ بیٹی کے درخشاں مستقبل کے لئے ضروری تھا کہ باپ کا سایہ ہو۔ صنوبر کے لئے اچھے رشتے آ کر اس لئے واپس چلے جاتے تھے کہ وہ سب اس کے باپ کے بارے میں پوچھتے تھے۔ اس معاشرے میں شوہر اور باپ کی ضرورت ہے' عورت کی عزت شوہر سے ہوتی ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ صنوبر کی ماں اپنے شوہر سے صلح کرنے اور اس کے گھر جا کر زندگی گزارنے کے لئے رضامند ہو گئی۔ آج اس عورت کے سارے کس بل نکل چکے ہیں۔ مجھے سب سے بڑی مسرت اس لئے ملی کہ صنوبر کو اس کا باپ مل گیا۔ ماں اور باپ کا گھنا

سایہ مل گیا۔ میری محنت اور کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ میں نے صنوبر کو اپنی بہن بنایا۔ میں نے اسے ہمیشہ کے لئے ایک چھوٹی بہن کی طرح چاہا۔ وہ مجھے ایک سگے بھائی کی طرح چاہتی ہے۔ اسے بھائی اور مجھے بہن مل گئی۔ ہم دونوں کو اپنی اپنی منزل مل گئی۔ جب میں صنوبر کی ماں کو اس کے شوہر سے ملانے کے لئے جاؤں گا وہ سماں کیسا ہو گا۔ نفرت کی دیوار ہمیشہ کے لئے گر جائے گی اور اجڑا گھر پھر سے آباد ہو جائے گا۔"

صنوبر کو انہوں نے اپنی بہن بنایا ہوا ہے؟ سنگیت کا دل حیرت اور خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کے سارے جسم میں فرحت اور سرشاری دوڑ گئی۔ آخر یہ سب کچھ راز میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اسے جلانے اور ستانے کے لئے۔ کیا انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ کوئی انہیں کتنا چاہتا ہے۔ شاید انہیں پتا چل گیا ہے۔ اس لئے کہ محبت اور مشک چھپتی نہیں ہے' دل کی باتیں آنکھوں سے عیاں ہو جاتی ہیں۔

پھر وہ دوسرا صفحہ پڑھنے لگی۔

"میں نے اپنی زندگی کی کتنی بڑی بھول کی ہے۔ ایک ایسی لڑکی کو زندگی میں پہلی بار چاہا ہے جو کسی شہزادی کی طرح ہے۔ میں نے اسے سمجھنے میں شاید غلطی کی ہے، میں نے اس کی نگاہوں کی زبان کے پیغام کا جو مطلب لیا کیا وہ غلط تھا؟ میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ شہزادی مجھ سے کھنچی کھنچی سی رہنے لگی ہے۔ جیسے مجھ سے خفا ہو۔ جب وہ میری نظروں کے سامنے ہوتی ہے تو مجھے اپنے دل پر اختیار کیوں نہیں رہتا۔ میرے دل کی حالت عجیب سی کیوں ہو جاتی ہے۔ مجھے اس شہزادی سے محبت کس لئے ہو گئی ہے؟ جبکہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی ہے۔ جب وہ پڑھنے کے لئے آتی ہے تو اس کی حرکات و سکنات سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے نفرت کرتی ہو اور اسے میری طرف دیکھنا تک گوارا نہیں ہے۔ کیا اس میں میرے لئے بہتری نہیں ہے کہ میں یہ شہر چھوڑ دوں۔ یہاں سے واپس سلہٹ چلا جاؤں۔ اسے بھولنے کی کوشش کروں۔ اب یہاں رہ کر کیا کروں؟ کس لئے رہوں؟ میرے خوابوں کی شہزادی مجھے مل نہیں سکتی۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ کسی روز امی اور ابو کو بلا کر اس چاند سے ٹکڑے کو دکھاؤں اور ان سے کہوں کہ اسے اپنی بہو بنا لیں۔ مگر ایک نفرت کرنے والی لڑکی میری رفیق سفر بننا کس لئے پسند کرے گی؟ اور پھر وہ بہت حسین

ہے۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ جنت سے چرایا ہوا پھول ہے اور انکل نے اسے اپنی بیٹی بنایا ہوا ہے۔ اس کے لئے بڑے بڑے گھروں سے رشتے آئیں گے۔ وہ ایک دن کسی بڑے گھر کی بہو بن جائے گی۔ کاش سنگیت! تمہیں مجھ سے محبت ہوتی۔ اے میرے دل کی شہزادی میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

سنگیت کا دل گلاب کی طرح کھل اٹھا اور اس کے دل کے نہاں خانے میں جیسے جلترنگ سے بج اٹھے۔ نس نس میں اس کی جھنکار اترتی چلی گئی۔ اسے یہ سب کچھ کسی سندر سپنے کی طرح لگ رہا تھا۔ اسے اس کا سپنا اور دل کی دھڑکن مل گیا تھا۔ محبت مل گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کمرے میں دیوانہ وار رقص کرے۔ نازنین کو ہی نہیں ساری دنیا کو بتا دے کہ اسے اس کی محبت مل گئی ہے۔

اس نے اس آخری پیراگراف کو کوئی دو تین مرتبہ پڑھا لیکن جی نہیں بھرا۔ پھر اس نے بستے سے قلم نکال کر اس پیراگراف کے نیچے لکھا۔ "مجھے آپ سے محبت ہے۔"

صبح اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا۔ کمرے میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی نس نس میں ایک عجیب سی فرحت اور خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے دل کے نہاں خانے میں محبت بھرے نغمے گونج رہے تھے۔ کانوں میں جیسے کوئی امرت انڈیل رہا تھا۔ ایسی کیفیت اس نے اپنی زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھیں اسے سب سے پہلے ڈائری کا خیال آیا۔ ڈائری پڑھتے پڑھتے اسے کب نیند آئی پتا نہیں چلا۔ اس نے بیڈ لیمپ کی طرف دیکھا وہ جل رہا تھا۔ ڈائری فرش پر گری ہوئی تھی۔ اس نے ڈائری اٹھا کر تکیے کے نیچے چھپا دی۔

گیارہ بجے اس نے ڈائری کو اخبار میں لپیٹا اور برآمدے سے ہوتی ہوئی اس خیال سے سعید کبیر کے کمرے میں پہنچی کہ وہ موجود نہیں ہوں گے۔ جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ کمرے میں موجود تھے اور تمام چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کمرے کی عجیب سی حالت بنا دی تھی۔ وہ اسے ناوقت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ "آپ؟"

"جی۔" سنگیت نے سر ہلایا۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈائری کی تلاش میں انہوں نے کمرہ تہہ و

بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ پھر بھی اس کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ ”سر! آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟“

”ڈائری۔“ وہ پریشانی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولے۔ ”رات معلوم نہیں میں نے ڈائری کہاں رکھ دی۔ وہ مل نہیں رہی ہے۔“

”کہیں وہ ڈائری چوری تو نہیں ہو گئی۔“ سنگیت نے حوصلہ کر کے شوخ لہجے میں کہا۔

”چوری.........؟ وہ ایک ڈائری تھی کوئی قیمتی چیز نہیں۔ کوئی اسے چرا کر کیا کرے گا؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگے۔

”جب وہ چیز قیمتی نہیں تھی تو آپ اس کے لئے اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟“ وہ زیر لب مسکرائی۔ ”آپ نئی ڈائری خرید لیں نا۔“

”وہ صرف میرے لئے قیمتی تھی کسی اور کے لئے نہیں۔“ انہوں نے افسردگی سے کہا۔ ”معلوم نہیں اسے کون لے گیا ہے؟ اسے چوری کرنا ہی تھا میرا بٹوہ چوری کر کے لے جاتا۔ اسے تین سو دس ٹاکا مل جاتے۔ یہ ڈائری تو ایک کوڑی کی بھی نہیں ہے۔“

”شاید اسے کوئی دل کا چور لے گیا ہو گا۔“ سنگیت کا لہجہ پھر شوخ ہو گیا۔

”دل کا چور؟“ انہوں نے حیرانی سے کہا۔ ”دل کے چور کو ڈائری کی چوری سے کیا فائدہ؟ کیا حاصل؟“

”سنا ہے ڈائری میں حال دل لکھا ہوتا ہے۔ شاید دل کا چور آپ کے دل کا حال پڑھنے اسے چرا کے لے گیا ہو۔“ سنگیت نے شگفتگی سے کہا اور ہنس پڑی۔

”لیکن وہ میرا حال دل پڑھ کر کیا کرے گا؟ میرا حال دل تو اسے پڑھنا چاہئے جس نے میرا دل چرایا ہے۔“ سعید کبیر مسکرا دیئے۔

”آپ کی ڈائری وہی چرا کے لے گیا جس کا دل آپ نے چرایا ہے۔“ سنگیت نے شوخی سے کہا۔ ”یہ لیجئے آپ کی ڈائری۔“ سنگیت ان کے ہاتھ میں ڈائری تھما کر ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں رکی۔ وہ تیزی سے گھوم کر کمرے سے نکل گئی۔ پہلے تو ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ماجرا کیا ہے۔ انہوں نے اخبار اتار کے دیکھا تو اندر انہی کی ڈائری تھی۔

پھر انہوں نے اسے کھول کر دیکھا۔ پھر انہوں نے وہ جملہ پڑھا جو سنگیت نے لکھا تھا۔ یہ جملہ نہیں ان کے لئے سرمایۂ محبت تھا۔ کیا خواب یوں بھی مل جاتے ہیں؟

☆======☆======☆

ایک دن شام کے وقت سبھی نشست گاہ میں بیٹھے محمد علی خوندکر کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ کاشف نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ اگلے لمحے وہ اس طرح سے اچھل پڑا جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ اس کی آواز حلق میں پھنستی چلی گئی۔ وہ چند ثانیوں تک ”جی جی“ کرتا رہا.......... پھر اس نے کہا۔ ”پلیز! میری بات تو سنیں..........“ اتنا کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ کیونکہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

سبھی کاشف کا چہرہ دیکھ کر چونک گئے۔ بیگم رشیدہ بانو نے تحیرزدہ لہجے میں پوچھا۔ ”کیا ہوا بیٹے! خیریت تو ہے؟“

”خیریت نہیں امی!“ کاشف نے اپنے آپ کو صوفے پر گراتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔ ”بہت بری خبر ہے۔ بدمعاشوں نے ابو کو اغوا کر کے یرغمال بنا لیا ہے۔ دو کروڑ ٹاکا مانگ رہے ہیں۔“

ایک سنسنی، خوف اور دہشت پھیل گئی۔ سبھی کے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔ بیگم رشیدہ بانو کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔ ”یہ بدمعاش کون ہیں..........؟ وہ اور کیا کہہ رہے تھے؟“

”معلوم نہیں کون بدمعاش ہیں۔“ کاشف نے کہا۔ ”وہ کہہ رہے تھے کہ کل شام تک رقم نہیں ملی تو اچھا نہیں ہو گا۔ پولیس میں رپورٹ درج کرانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ وہ ٹھیک دو گھنٹے کے بعد پھر ٹیلیفون کرے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ پولیس کو اس بات کی اطلاع دے دی جائے۔“ ثمرین نے کہا۔ ”اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ سعید کبیر نے ثمرین کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”پولیس ہی ان بدمعاشوں سے نمٹ سکتی ہے۔“

"اس بدمعاش نے مجھ سے کہا ہے کہ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں ابو کو ختم کر کے پھینک دیں گے۔" کاشف نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ پولیس میں کالی بھیڑیں ہوتی ہیں اور وہ ایسے مجرموں کی پشت پناہی بھی کرتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔ یہ مجرم بہت خطرناک اور سفاک قسم کے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی خون پانی سے بھی ارزاں ہوتا ہے۔ پولیس میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ وہ ان سے نمٹ سکے۔"

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان کا مطالبہ مان لیا جائے؟" نازنین بولی تو اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"نہیں۔" کاشف نے کہا۔ "دو کروڑ کی رقم کم نہیں۔ یہ بدمعاش اتنی رقم کا مطالبہ اس لئے کرتے ہیں کہ سودے بازی کی جا سکے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ پچاس لاکھ ٹاکا پر رضامند ہو جائیں تو انہیں رقم ادا کر دی جائے۔ پولیس کی مدد لینے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

بیگم رشیدہ بانو رونے لگیں۔ نازنین اور سنگیت ان کے پاس بیٹھ کر انہیں دلاسا دینے لگیں۔ سعید کبیر بولے۔ "آنٹی! آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ نے چاہا تو وہ خیر و عافیت سے گھر آ جائیں گے۔ حوصلہ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں' ان کا بال تک بیکا نہیں ہو گا۔"

"پچاس لاکھ کی رقم پر جان چھوٹتی ہے تو اسے جان کا صدقہ سمجھ کر دے دیں۔" نازنین بولی۔ "اب اس بدمعاش کا ٹیلیفون آئے تو اس سے بات کر لیں۔ اس سے کہیں کہ وہ ابو سے بات کرا دے۔ ابو کیا کہتے ہیں سن لیں' ان کی بات پر عمل کریں۔"

دو گھنٹے تک فضا میں سوگواری' خوف اور دہشت گھلی رہی۔ یہ دو گھڑیاں اذیت ناک بن گئی تھیں۔ چہرے فق تھے۔ جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو سب کے دل دھڑک اٹھے۔ کاشف نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر وہ اس بدمعاش سے دس منٹ تک بحث کرتا رہا۔ وہ ایک کروڑ سے کم تاوان لینے کے لئے کسی قیمت پر تیار نہ تھا۔ پھر اس نے کاشف کی بات محمد علی خوندکر سے کرائی تو انہوں نے کہا۔

"بیٹے! کل شام تک ایک کروڑ کی رقم پہنچا دو .... پولیس میں اطلاع دینے کی

کوئی ضرورت نہیں۔ نہ رشتے داروں کو بتایا جائے۔"

اس بدمعاش نے انہیں مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ ان کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔ "تم نے سن لیا اپنے باوا جان کی بات .... کل شام مجھے رقم نہیں ملی تو ان کی لاش صبح ڈھاکہ کی کسی سڑک پر ملے گی۔"

"دو ایک دن کی مہلت تو دیں۔" کاشف نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔ "اتنی بڑی رقم کا بندوبست اتنی جلدی کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ہمارا مسئلہ نہیں تمہارا مسئلہ ہے۔" بدمعاش نے سفاک لہجے میں جواب دیا۔ "میں تمہیں ایک دن کی مہلت بھی نہیں دے سکتا۔"

اس نے اتنا کہہ کر ریسیور پٹخ دیا۔ کاشف نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور اپنی جگہ آ بیٹھا۔ سعید کبیر نے پوچھا۔ "بدمعاش اور ابو کیا کہہ رہے تھے؟"

"ابو کہہ رہے تھے کہ انہیں ایک کروڑ کی رقم ادا کر دی جائے اور ان کے اغوا اور تاوان کے بارے میں خاندان میں کسی کو بھی نہ بتایا جائے۔ بدمعاش ایک دن کیا ایک گھنٹے کی مہلت بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔" کاشف نے بتایا۔

"آپ نے کیا سوچا.......... ؟ کیا فیصلہ کیا بھائی جان!" نازنین نے اداسی اور فکرمندی سے پوچھا۔

"ایک کروڑ کی رقم کا بندوبست ایک دن ٹیں کیسے ہو سکتا ہے؟" کاشف نے کہا۔

"رقم تو کاروبار میں لگی ہوئی ہے۔"

"لیکن ابو نے کیسے کہہ دیا کہ ایک کروڑ کی رقم ادا کر دی جائے؟ کیا انہیں اس بات کا خیال نہیں رہا کہ یہ مشکل کام ہے۔" نازنین نے کہا۔

"ابو نے جو کچھ کہا وہ گن پوائنٹ پر کہا۔ ان سے یہ بات بدمعاشوں نے زبردستی کہلوائی ہے۔" کاشف نے کہا۔

"اگر میں ایک منصوبہ پیش کروں تو آپ لوگ مجھے اس پر عمل کرنے دیں گے۔" سنگیت نے کہا۔ "سانپ بھی مر جائے گا لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔"

"کیا منصوبہ ہے؟" کاشف نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ سبھی

اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

سنگیت نے جب اپنا منصوبہ بتایا تو کاشف نے ششدر ہو کر کہا۔ "سنگیت! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ مفت میں تمہاری جان جائے گی۔ میں ایک بھائی کی حیثیت سے نہیں چاہتا کہ تم موت کے منہ میں جاؤ۔ وہ بدمعاش بہت خطرناک ہیں۔"

"کیا میں اس گھر کے لئے اپنے ابو اور آپ سب کے لئے اپنی جان نہیں دے سکتی جس نے مجھے محبت اور بیٹی کا مقام اور عزت دی۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ میرا بال تک بیکا نہیں ہو گا۔ کیونکہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" وہ بڑے اعتماد اور حوصلے سے بولی۔

☆======☆======☆

کاشف گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کے برابر سنگیت اپنی گود میں بریف کیس رکھے بڑے سکون و اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ کاشف کا دل بہت بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اسے کامیابی کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے کیونکہ سنگیت جو کھیل کھیلنے جا رہی تھی وہ بڑا خطرناک تھا۔ وہ سنگیت کے حوصلہ دلانے پر چلا آیا تھا۔ اس نے اپنے ہم جماعت دوست کفیل کو اعتماد میں لے کر سنگیت کا منصوبہ بتا دیا تھا۔ وہ پولیس انسپکٹر تھا۔ کفیل نے سنگیت کی بہادری اور منصوبے کی داد دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ سنگیت کا منصوبہ ناکام ہونے کی صورت میں وہ ان بدمعاشوں سے نمٹ لے گا وہ اور اس کے ساتھی سادے لباس میں اس مقام پر چھپے رہیں گے۔

جیداد پور کے شمال میں ایک اجڑے مندر پر رقم لے کر پہنچنے کے لئے بدمعاشوں نے کہا تھا۔ کاشف نے گاڑی مندر کے پاس روک لی۔ سب سے پہلے سنگیت بریف کیس لے کر اتری۔ پھر کاشف اتر آیا۔ دونوں نے چاروں سمت نظریں دوڑائیں۔ دور دور تک کسی بدمعاش کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ دونوں آدھے گھنٹے تک انتظار کرتے رہے۔ جب وہ مایوس ہو کر واپس جانے والے تھے مندر میں سے تین مسلح بدمعاش نمودار ہوئے ان کے نرغے میں محمد علی خوندکر تھے۔ وہ حیرت سے سنگیت کو دیکھنے لگے۔ چند ثانیوں کے بعد بدمعاش ان کے مدمقابل تھے۔ ان کے سرغنہ نے پوچھا۔ "رقم لائے ہو؟"

"جی ہاں۔" سنگیت نے جواب دیا۔ پھر اس کو بریف کیس دکھایا۔ "اس میں ایک کروڑ ٹاکا ہے۔"

"لاؤ مجھے بریف کیس دے دو۔" سرغنہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر سنگیت سے کہا۔

"پہلے ابو کو گاڑی میں بیٹھنے دو۔" سنگیت نے جواب دیا۔ "پھر تم یہ بریف کیس لے سکتے ہو؟"

"تم کہیں ہمارے ساتھ چال تو نہیں چل رہے ہو.........؟" سرغنہ نے مشکوک ہو کر ان دونوں کو باری باری گھورا۔ "میں رقم گنے بغیر انہیں گاڑی میں بیٹھنے نہیں دے سکتا۔"

"نہیں!" سنگیت بولی۔ "ہم نہتے ہیں۔ تم ہماری تلاشی لے سکتے ہو۔ تم لوگ مسلح ہو۔ اطمینان سے رقم گن کر دیکھ لینا۔ ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک تم جانے کی اجازت نہ دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔" سرغنہ نے سر ہلایا۔ پھر اس نے محمد علی خوندکر کو اشارہ کیا۔ "اب آپ جا کر گاڑی میں بیٹھ جائیں۔"

محمد علی خوندکر گاڑی کی طرف بڑھے۔ وہ نہ صرف دل میں حیران تھے بلکہ انہیں غصہ بھی آیا کہ سنگیت کیوں آئی؟ جب وہ گاڑی کے پاس پہنچے تو کاشف نے جلدی سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پچھلی سیٹ پر ایک شاٹ گن کپڑے کے نیچے سے جھانک رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ منصوبہ کیا ہے۔ یہ ان کی شاٹ گن تھی۔ انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

سنگیت نے بریف کیس گاڑی کے بونٹ پر رکھ دیا۔ "اب تم رقم گن کر اپنی تسلی کر لو۔"

ان دونوں بدمعاشوں نے سنگیت اور کاشف کو اپنے اپنے پستولوں کی زد میں لے لیا۔

سرغنہ نے اپنا پستول جیب میں رکھ لیا۔ اس نے بریف کیس کھول کر ڈھکن اٹھایا تو اس کی آنکھیں غصے سے پھیل گئیں اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ بریف کیس زمین پر پھینک کر دھاڑا۔ "یہ کیا مذاق ہے اس میں تو کتابیں ہیں.........؟"

سنگیت نے چشم زدن میں پنڈلی پر چرمی بیلٹ سے بندھا پستول نکال لیا۔ سرغنہ نے اپنی جیب سے پستول نکالنے کی کوشش کی تو اس کے ہاتھ پر پستول کے دستے سے ضرب لگائی اور پستول کی نال اس کے گلے کے نیچے رکھ دی تو وہ اور اس کے ساتھی بھونچکے ہو گئے۔ سنگیت نے بجلی کی سی سرعت سے اسے ڈھال بنا لیا اور تحکمانہ لہجے میں بولی۔

"اپنے آدمیوں سے کہو وہ پستول پھینک دیں ورنہ میں تمہارے حلق میں گولیاں اتار دوں گی........" پھر اس کی قمیض کا کالر پیچھے سے پکڑ لیا۔

"پستول پھینک دو۔" سرغنہ نے پست آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔

ان دونوں نے پستول پھینک دیئے۔ محمد علی خوندکر شاٹ گن لے کر نیچے اتر آئے۔ کاشف نے سرغنہ کی جیب سے پستول نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر شمال سے ایک جیپ تیزی سے آتی دکھائی دی۔ وہ قریب رکی تو اس میں کفیل اور اس کے سپاہی سادے لباس میں اور مسلح تھے۔

رسمی کارروائی مکمل ہونے کے بعد سنگیت نے کاشف سے کہا۔ "بھائی جان! اپنے دوست سے کہیں کہ اس کا سہرا وہ اپنے سر باندھ لیں۔ اس میں ہم دونوں کا نام بالکل بھی نہ آئے۔"

☆======☆======☆

اس گھر میں عید کا سا سماں تھا۔ سنگیت کے اس کارنامے نے اس کی محبت اور عزت میں اضافہ کر دیا تھا۔ پورے خاندان میں اس کا چرچا بڑے زور و شور سے ہونے لگا تھا لیکن پھر بھی اس سے جلنے والوں کی کوئی کمی نہ تھی لیکن اس کی طبیعت اور مزاج میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

اس واقعے کے چند دنوں بعد سنگیت نے محمد علی خوندکر کا زرد چہرہ دیکھا تو اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ وہ انہیں کئی دنوں سے بے حد الجھا ہوا' دل گرفتہ اور پریشان سا دیکھ رہی تھی۔ اس نے دل میں کئی بار سوچا کہ ان سے اس کی وجہ پوچھے لیکن اس کی ہمت نہ ہو سکی۔ آج اس نے ہر صورت میں اس کی وجہ پوچھنے کا ارادہ کر لیا۔ آج وہ بہت زیادہ اداس اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے انہیں اندر ہی اندر کوئی فکر کھائے

جا رہی ہے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ چائے پینے کے لئے نشست گاہ میں آ بیٹھے تو سنگیت بڑے صوفے پر ان کے پاس جا بیٹھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو وہ بولے۔ "بیٹی! کسی وجہ سے تمہاری گاڑی ابھی تک چٹاگانگ سے ڈھاکہ پہنچ نہ سکی۔ شاید کچھ دن اور لگ جائیں۔"

"مجھے گاڑی کی نہیں بلکہ آپ کی فکر ہے ابو! میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کئی دن سے بہت فکر مند اور پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"آج کل میرا کاروبار بڑا متاثر ہو رہا ہے۔ ڈالر کا جو بحران ورلڈ مارکیٹ میں آیا ہوا ہے اس نے سارے کام چوپٹ کر دیئے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالو اس میں نقصان ہو رہا ہے۔ کاروبار میں ایسا ہوتا رہتا ہے' نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔"

"کاش ابو! میں آپ کے لئے کچھ کر سکتی؟" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے آپ کو افسردہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔"

"تمہارے یہ الفاظ' یہ محبت اور چاہت میرے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔" وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ "اب تم مجھے کچھ گیت اور نغمے سنا دو تاکہ میرا دل اور اعصاب ہلکے پھلکے ہو جائیں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اس دنیا کو بھول جاؤں۔"

"کوئی ساز ہوتا تو بہت اچھا ہوتا۔" سنگیت نے کہا۔ "چلئے........... اس کے بغیر بھی آپ کو سنائے دیتی ہوں۔"

"نازنین!" محمد علی خوندکر نے بیٹی کو آواز دی پھر اس سے کہا۔ "میں آج جو ساز لایا ہوں وہ لے آؤ۔ شاید ہماری بیٹی کو پسند آ جائے۔"

"جی اچھا ابو!" نازنین اپنی جگہ سے اٹھی۔ چند لمحوں کے بعد ان کے کمرے میں جا کر ساز لے آئی۔ سنگیت نے دیکھا۔ نازنین کے ہاتھ میں ایک بہت ہی خوبصورت ستار تھی۔ وہ اس ستار کو دیکھ کر بے قرار ہو کر اٹھی۔ پھر اس نے لپک کر نازنین کے ہاتھ سے ستار لے لیا۔ پھر اسے چمکتی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

محمد علی خوندکر نے کہا۔ "سنگیت بیٹی! میں یہ تمہارے لئے لایا ہوں۔ آج سے تمہیں مجھے روزانہ رات کے وقت دو تین گیت سنانے ہوں گے۔"

"بہت بہت شکریہ ابو!" سنگیت ممنونیت سے بولی۔ "آج کل کاروبار کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ اتنا قیمتی ساز کیوں خرید کر لائے؟"

"یہ تم سے بڑھ کر نہیں ہے۔" وہ بولے۔ "تمہیں لتا کے اردو گانے یاد ہوں تو وہ بھی سنا دو۔"

"لتا جی نے ایک فلم میں ایک غزل گائی تھی۔ وہ پوری یاد نہیں ہے۔ جتنی یاد ہے' اتنی سنائے دیتی ہوں۔"

سنگیت فرش پر بچھے قالین پر بیٹھ گئی۔ اس کے تاروں کو کسنے لگی پھر تاروں کو اپنی نازک اور خوبصورت انگلیوں سے چھیڑنے لگی۔ نازنین' سعید کبیر کو بھی بلا لائی۔ سنگیت ستار ٹھیک کرنے میں لگی رہی تھی۔ جب وہ سنبھل کر گانے کے لئے تیار ہوئی تو اس نے دیکھا کہ نشست گاہ آدھی سے زیادہ بھر چکی ہے۔ حاضرین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ وہ دل میں حیران تھی کہ اس کے گانے کی خبر خاندان میں کیسے پھیل گئی۔ اسے یہ ساری شرارت نازنین کی لگی۔

دوسرے دن شام کے وقت سعید کبیر باہر سے آئے تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی کے چار بڑے ڈبے تھے۔ ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ نشست گاہ میں سنگیت' ثمرین' نازنین اور بیگم رشیدہ بانو بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

نازنین نے پوچھا۔ "کبیر بھائی! یہ مٹھائی کس خوشی میں آئی ہے؟ لگتا ہے کہ آپ بہت بڑی خوشخبری سنانے والے ہیں۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" انہوں نے جواب دیا تو ان کے لہجے سے سرشاری ٹپک رہی تھی۔ "مجھے آج نکھار کارپوریشن میں مینجر کے عہدے کی ملازمت مل گئی ہے۔"

"سچ!" نازنین خوش ہوتی ہوئی بولی۔ "بنگلہ دیش میں جتنی فرمیں شپنگ سے متعلق ہیں یہ ان میں سب سے بڑی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس فرم میں ہر کسی کو ملازمت آسانی سے نہیں ملتی۔ کیا آپ کو کسی کی سفارش سے ملازمت ملی ہے؟"

"بغیر کسی کی سفارش سے یہ ملازمت ملی ہے۔ میری قابلیت اور صلاحیت سے متاثر

ہو کر مجھے یہ عہدہ دیا گیا ہے۔ بیالیس ہزار ٹاکا تنخواہ ملے گی۔ ایک ماہ کی تنخواہ بھی پیشگی ملی ہے۔ جلد ہی فلیٹ اور گاڑی بھی ملنے والی ہے۔"

"مبارک ہو سر!" سنگیت نے بڑے پُرجوش انداز میں اسے مبارکباد دی اور ایک مٹھائی کا ڈبہ کھولنے لگی۔ پھر سب نے انہیں باری باری گرم جوشی سے مبارکباد پیش کی تو انہوں نے کہا۔ "اصل مبارکباد اور مٹھائی کی حقدار تو مس سنگیت ہیں۔"

"کیا؟" سنگیت ایک دم سے چونک پڑی۔ اس کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ "میں کیسے.........؟"

"وہ ایسے کہ آپ نے نہ صرف اس کمپنی کا اشتہار اخبار سے کاٹ کر دیا بلکہ ڈھیر ساری دعائیں بھی دیں۔" وہ سنگیت کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ملازمت مجھے اپنے شاگرد کے طفیل ملی ہے۔"

"بے شک .... بے شک........." نازنین نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا اور سر ہلایا تو سبھی ہنس پڑے۔

"آپ ہمیں صرف مٹھائی پر ٹرخا رہے ہیں۔" ثمرین نے کہا۔ "ہم صرف مٹھائی کھا کر چپ نہیں رہیں گے۔ مینجر صاحب! ایک شاندار پارٹی بھی ہونا چاہئے اور شب موسیقی کی محفل بھی.......... جس میں ہم سنگیت کا سنگیت سنیں گے۔ جادوگرنی کا سنگیت۔"

☆======☆======☆

ٹیوشن پڑھاتے وقت سعید کبیر نے سنگیت کی صورت دیکھی۔ وہ بے حد غمگین اور کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ چہرہ مرجھائے ہوئے پھول کی طرح ہو رہا تھا۔ اسے جیسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ وہ ذہنی طور پر یہاں حاضر نہیں تھی۔

"سنگیت!" سعید کبیر نے اس کی طرف رخ کر کے کہا۔ "ایسا لگتا ہے کہ آپ میری ملازمت سے خوش نہیں ہیں؟"

"مجھ سے زیادہ خوشی کس کو ہو سکتی ہے۔" وہ ایک لمبی سانس لے کر اداسی سے بولی۔ "یہ بات آپ کس لئے کہہ رہے ہیں؟"

"اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ کے حسین چہرے پر اداسی کے گہرے بادل چھائے

ہوئے ہیں آپ کی اس اداسی سے ساری دنیا' ساری فضا اور ماحول گہری اداسی میں ڈوب گیا ہے۔ آپ کس لئے اس قدر پریشان ہیں؟ کیا بات ہے مجھے نہیں بتائیں گی؟"

"اس بات سے میرا دل ڈوبا جا رہا ہے آپ کمپنی سے ملنے والے فلیٹ میں چلے جائیں گے۔ یہاں نہیں رہیں گے اب آپ مینیجر بن گئے ہیں۔ میں اب آپ کو دیکھے بغیر کیسے رہوں گی۔" سنگیت نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

"فلیٹ مجھے کل تو نہیں مل رہا ہے۔" وہ کہنے لگے۔ "تین مہینے کا عبوری دور ہے۔ اس کے بعد مجھے فلیٹ اور گاڑی ملے گی۔ میں یہاں سے تین چار ماہ کے بعد جاؤں گا۔ اس فلیٹ میں منتقل ہونے کے بعد آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔"

"جی........." وہ پیار بھری خفگی سے بولی۔ "ابو ایسے تھوڑی جانے دیں گے۔"

"ایسے نہیں تو ویسے جانے دیں گے۔" وہ مسکرائے۔ "محترمہ! ہم بارات لے کر آئیں گے۔ آپ کو پورے اعزاز کے ساتھ ایک ہزار باراتیوں کے جھرمٹ میں ڈولی میں بٹھا کر لے جائیں گے۔"

☆======☆======☆

پندرہ بیس دن پلک جھپکتے گزر گئے۔ ان دونوں کی محبت تیزی سے پروان چڑھتی رہی۔ وہ دونوں روز بروز ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے تھے۔ محبت سے بڑا نشہ کوئی نہیں۔ وہ دونوں محبت کے نشے میں ڈوب جاتے۔ جب تک ایک دوسرے کو دیکھ نہ لیں چین نہ آتا تھا۔ سعید کبیر کو کمپنی کی طرف سے ابھی فلیٹ نہیں ملا تھا لیکن گاڑی مل گئی تھی۔ اب شامیں باہر سیر و تفریح میں گزرنے لگی تھیں۔ وہ نازنین کو بھی ساتھ لے لیتی تھی۔ اس نے نازنین کو بتا دیا تھا کہ وہ سعید کبیر سے محبت کرتی ہے۔ نازنین کا خیال تھا کہ اس نے ایک اچھے اور صحیح شخص کا انتخاب کیا ہے۔

☆======☆======☆

سنگیت اس بات کو شدت سے محسوس کر رہی تھی کہ اس کے ابو کی فکر مندی اور پریشانی بہت بڑھ گئی اور ان پر ہر وقت ایک گہری اداسی چھائی رہتی ہے۔ ان کا کھانا پینا بھی چھوٹ چکا ہے' صحت بھی بہت متاثر ہوئی ہے اور روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ ایسی ہی

کیفیت نازنین اور بیگم رشیدہ بانو کی بھی ہو رہی تھی۔ کاشف اور ثمرین بھی افسردہ دکھائی دیتی تھی۔ نازنین نے اس کے پوچھنے پر بتایا کہ اس کے ابو کو کاروبار میں زبردست خسارہ ہوا ہے۔ کشتی منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ وہ اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہر جدوجہد ناکام ہو رہی ہے' ناامیدی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ خوف دامن گیر ہے کہ کہیں یہ کشتی ڈوب نہ جائے۔

اس گھر پر ایک سوگواری سی چھانے لگی تھی۔ اگلے چند دن اسے اسی رنگ میں لپٹے نظر آئے۔ صبح ہوتی تھی۔ شام ہوتی تھی لیکن اداسی کا دھیرے دھیرے چھا جانے والی مایوسی کا رنگ ساری فضا' سارے ماحول پر ہی نہیں ہر ایک کے دل پر چھایا رہتا تھا۔ اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ وحشت تھی کہ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سوچتی کہ اپنے ابو کے لئے وہ کیا کر سکتی ہے۔ ان کا زرد اور ستا ہوا چہرہ اس سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ وہ کیسے عظیم شخص تھے؟ انہوں نے اسے اتنی محبت' اتنی عزت اور ایسا بلند مقام دیا تھا کہ اس خود غرضی' ریاکاری اور منافقت کے دور میں بھری دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ یہ بات' یہ احسان یہ محبت کیسے بھول سکتی ہے؟ کاش! وہ ان کے لئے کچھ کر سکتی؟ اس سفینے کو ڈوبنے سے بچا سکتی۔ اس سفینے کو کنارہ ملنا چاہئے۔ اس گھر کو ہر قیمت پر آباد رہنا چاہئے۔ اس کے ابو جیسے عظیم آدمی کی عزت' زندگی اور خوشیوں کو خاک میں نہیں ملنا چاہئے۔

☆======☆======☆

ایک روز رات دس بجے وہ سب لوگ نشست گاہ میں جمع تھے۔ انہوں نے صرف بڑے لوگوں کو بلایا تھا۔ سنگیت بھی موجود تھی لیکن وہ ایک کونے میں دبکی ہوئی تھی۔ محمد علی خوند کر اپنی بہن' بہنوئی' بھائیوں اور ان کی بیویوں پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہنے لگے۔

"میں نے آج آپ سب کو اس لئے بلایا ہے کہ اپنا مسئلہ پیش کروں۔ آپ سب کے علم میں ہے کہ انٹرنیشنل مارکیٹ میں افراط زر اور ڈالر کے بحران' ملک میں سیلاب' طوفان اور ہڑتالوں کی وجہ سے میں گردش میں آ چکا ہوں۔ میں دو تین بینکوں کا ایک کروڑ کا مقروض ہو چکا ہوں۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ دو کروڑ ٹاکا کا نقصان اٹھایا ہے۔ میں نے اپنی تمام جائیداد

جس میں یہ کوٹھی بھی ہے رہن رکھ دی ہے۔ بینکوں کے قرضوں کے علاوہ اور بھی قرض ادا کرنے ہیں جو ایک کروڑ کی رقم بنتی ہے۔ اب میرے لئے کوئی چارہ نہیں رہا ہے کہ اپنی تمام جائیداد' لانچ اور گاڑیاں بیچ دوں۔ لہٰذا اب انہیں بیچ رہا ہوں۔ اب آپ لوگ اپنا اپنا انتظام کرلیں۔ ایک مہینے کے اندر اندر یہ کوٹھی خالی کردیں۔"

ان کے اس اعلان کو سب نے بڑی خاموش' توجہ اور غور سے سنا تھا۔ کوئی ہلچل نہیں ہوئی۔ سرگوشیاں نہیں ہوئیں۔ سنسناہٹ نہیں پھیلی۔ کیونکہ ان سب کو پل پل کی خبر تھی۔ اس کے آثار بہت دنوں پہلے سے ظاہر ہونا شروع ہو چکے تھے۔ اس اعلان کے لئے سب ذہنی طور پر تیار تھے۔ ان سب نے غیر محسوس انداز سے اپنا اپنا انتظام کرلیا تھا تاکہ جیسے ہی اس کی نوبت آئے انہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

"آپ نے جو سوچا اور فیصلہ کیا ہے وہ بڑا مناسب ہے۔" شوکت علی کہنے لگے۔

"اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں ہے بھائی جان! لیکن میرا مشورہ اور ہے۔ آپ اس کوٹھی کو فروخت نہ کریں تو اچھا ہے۔"

"میں کوٹھی کو فروخت نہ کروں.........؟ وہ کس لئے؟ میں تمہیں اپنی مجبوری بتا چکا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"اس لئے کہ اسے آپ نے اپنے بازوؤں کی کمائی سے بنایا ہے۔ ہم سب یہاں سے چلے گئے تو خاندان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

"میں تو قرض کی ادائیگی کے لئے بیچ رہا ہوں۔ مجبوری نہ ہوتی تو میں بھولے سے بھی یہ بات نہیں سوچتا۔" وہ بولے۔ "دور دور تک ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے کہ میں اسے فروخت کرنے سے باز رہ سکوں۔"

"میرے ذہن میں ایک صورت ہے جس سے اس کوٹھی کو بکنے سے بچایا جا سکتا ہے۔" بیگم رشیدہ بانو بولیں۔

"وہ کیا صورت ہے بھابی؟" سب سے چھوٹے بھائی عنایت علی نے اشتیاق سے پوچھا۔

"تم سب لوگ آگے بڑھو تو یہ کوٹھی بچ سکتی ہے۔" بیگم رشیدہ بانو نے جواب دیا۔

"تم سب لوگ آگے بڑھو۔ اللہ نے تم سب کو خوب نوازا ہے۔ تم لوگ چاہو تو ایک کروڑ کیا دو کروڑ کی رقم بھی ادا ہو سکتی ہے۔ تم لوگوں نے جو اپنے اپنے گھر کرائے پر اٹھا رکھے ہیں انہیں بیچ دو۔ بینک میں جو بڑی بڑی رقوم ہیں ان سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ آج تمہارا سگا بھائی سخت مشکل میں ہے جس نے تم لوگوں کا ایسا مستقبل بنایا۔"

"بھابی جان! اگر ہم نے اپنے اپنے مکان بیچ دیئے اور لاکھوں ٹاکا اٹھا کر دے دیئے تو ہمارا اور ہمارے بچوں کا کیا ہو گا؟" شوکت علی نے کہا۔ "کیا آپ چاہتی ہیں کہ ہم بچوں کا مستقبل تاریک کر دیں؟"

"مجھے کسی کا احسان نہیں چاہئے اور نہ میں نے کسی کو مدد کرنے کی درخواست کرنے بلایا ہے۔" محمد علی خوندکر نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "بیگم! تمہیں کوئی ضرورت نہیں ان لوگوں سے مدد کی درخواست کرنے کی۔"

"میں کیوں نہ کہوں؟" بیگم رشیدہ بانو نے ان سے تکرار کی۔ پھر وہ سب کی طرف دیکھتی ہوئی کہنے لگیں۔ "کتنے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ اس مشکل گھڑی میں تم لوگ اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ رہے ہو۔ اس بھائی کا جس نے تمہیں اس قابل بنایا کہ آج تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو۔ انہوں نے تم لوگوں کے لئے کیا کچھ نہیں کیا.......... بڑے شرم کی بات ہے کہ تم ان کے ایثار اور قربانیوں کو بھول گئے۔ خون کے رشتے کا بھی کوئی خیال نہیں' مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم سب اس قدر احسان فراموش اور خودغرض نکلو گے۔"

"محمد علی نے جو کچھ کیا وہ اپنی غرض کے لئے کیا۔" محمد علی خوندکر کی بڑی بہن افروزہ کو غصہ آگیا۔ "کسی کو کاروبار میں شریک نہیں کیا؟ اور پھر ایک کمتر درجے کی ماسی کے لئے ہماری عزت خاک میں ملا دی۔ ہم کس لئے کام آئیں۔ انہوں نے ہم پر ایک ماسی کو ترجیح دی۔"

"خبردار! جو کسی نے سنگیت کے خلاف ایک لفظ بھی کہا۔ میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔" وہ طیش میں آکر بولے۔ "یہاں اس کا ذکر کس لئے؟ کیا میں نے تم کو لوگوں کو یہاں اس لئے بلایا ہے کہ مجھے طعنے دو' ذلیل کرو۔ میں نے اس لئے بلایا ہے کہ تم سب اپنا اپنا بندوبست کر لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا سہارا اللہ

ہے۔ میرا بیٹا' میری بہو' میری بیٹیاں اور میری بیوی اس مشکل میں کام آئیں گی۔ یہ برا وقت بھی ٹل جائے گا۔"

"بھائی جان!" شوکت علی کی بیوی نرجس نے کڑوا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اب بھی آپ کے دل سے اس ماسی کی محبت نہیں گئی۔ اصل میں تو بھائی جان یہ لڑکی منحوس ہے۔ یہ جب سے اس گھر میں آئی ہے تب سے آپ اور سارا کاروبار نحوست کا شکار ہو گیا ہے۔ آپ مشکل میں گھر گئے ہیں۔ بال بال قرض میں جکڑ گیا ہے۔"

"نرجس!" محمد علی خوندکر نے برہمی سے کہا۔ "اگر تم نے ایک لفظ بھی سنگیت کے بارے میں کہا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ ایک بات سب کان کھول کر سن لیں۔ میں مر جاؤں گا سنگیت کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ یہ مجھے نازنین اور دوسری بیٹیوں کی طرح عزیز ہے۔ یہ میری جان ہے' یہ میری زندگی ہے۔"

"آپ یہ سب بیچنے کے بعد کیا کریں گے بھائی جان!" عنایت علی نے فوراً موضوع بدلا۔ "کہاں رہیں گے؟ یہ سوچا آپ نے؟"

"کہیں نہ کہیں سر چھپانے کے لئے جگہ مل جائے گی۔ یہ دنیا بہت بڑی ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ "میرا کاشف میرا بازو ہے۔"

"انکل!" سعید کبیر نے کہا۔ "مجھے کچھ دنوں میں کمپنی کی طرف سے ایک لگژری فلیٹ ملنے والا ہے۔ آپ سب وہاں چل کر رہیں گے۔ آخر میں بھی تو آپ کے ایک بیٹے کی طرح ہوں۔ آپ سب کو بڑے آرام سے رکھوں گا۔ ہر طرح سے آپ سب کی خدمت کروں گا اور اب آپ کو کام کی نہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میری تنخواہ اتنی ہے کہ سب کا گزارہ ہو جائے گا۔"

"مبارک ہو محمد علی! تمہیں ایک سہارا تو مل گیا۔" افروزہ بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب تمہیں کس بات کی فکر؟"

"سچ پوچھو تو یہ غیر لڑکا' دوست کا بیٹا تم سب رشتہ داروں سے لاکھ درجے بہتر ہے اور بدرجہا افضل ہے۔ اس افتاد کی گھڑی میں یہ کام آ رہا ہے۔" بیگم رشیدہ بانو کی آواز بھرا سی گئی۔ پھر وہ استہزائی لہجے میں بولیں۔ "تم سب کو شرم آنا چاہئے۔ ڈوب مرنے کا

مقام ہے۔ اپنے سگے بھائی کے کام نہیں آ رہے ہو۔"

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں بھابی!" شوکت علی نے کہا۔ "جب آپ لوگ اس کے ساتھ رہیں گے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ پھر یہ آپ لوگوں کی چھٹی کر دے گا۔ ایسی جذباتی باتیں نوجوان لڑکے کرتے ہی ہیں۔"

"میں تم سے بہتر جانتا ہوں کہ کون کیسا ہے؟ مجھے کھرے کھوٹے میں تمیز کرنا آتا ہے۔ تم کیا جانو ہیرا اور پتھر کا فرق۔ یہ ہیرا ہے ہیرا۔"

"میں اس کوٹھی کو اس شرط پر خریدنے کے لئے تیار ہوں کہ سب یہاں سے چلے جائیں۔" شوکت علی نے کہا۔

"ہم لوگ بھی چچا جان..........؟" نازنین نے پوچھا۔

"ہاں تم لوگ بھی اور باقی تمام لوگ بھی.......... میں ان حصوں کو کرائے پر اٹھا دوں گا۔ اس لئے مجھے تمام پورشن خالی چاہئیں۔"

"خون کیسا سفید ہو گیا ہے۔" ثمرین سسک پڑی۔ "ابو نے برسوں سے آپ لوگوں کو رکھا ہوا ہے۔ کسی سے ایک کوڑی بھی کرائے کی مد میں نہیں لی۔ آج اس کڑے وقت میں آپ لوگ اپنے محسن اور سگے بھائی سے یہ سلوک کر رہے ہیں؟ بڑے افسوس کی بات ہے۔"

"بیٹی!" محمد علی خوندکر نے گہری سانس لے کر افسردگی سے کہا۔ "مجھے کسی کے احسان کی کوئی ضرورت نہیں ہے' تم انہیں کچھ نہ کہو۔ تماشا دیکھتی جاؤ' خون کے رشتوں کو دیکھو اور اس غیر لڑکے کو دیکھو جو میرے دوست کا لڑکا ہے۔ اس کا دل دیکھو' اس کی محبت اور جذبے کو دیکھو۔ ان سب کے منہ پر اس نے تھپڑ دے مارا ہے۔ اب مجھے یہاں رہنا نہیں ہے' مجھے بھیک نہیں چاہئے۔ اس کوٹھی کو چاہے کوئی بھائی خرید لے' میں فٹ پاتھ پر مر جاؤں گا لیکن کسی بھائی کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ یہ بھائی نہیں ہیں۔ خود غرض اور کمینے ہیں۔"

"کیا ایک کروڑ کی مالیت کی کوٹھی خرید کر سب کو یہاں مفت میں رکھ کر اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لوں؟" شوکت علی نے تند لہجے میں کہا۔ "میں یہ کوٹھی اس لئے خرید رہا ہوں

کہ بھائی کی نشانی میرے پاس رہے گی اور اسے کرائے پر اٹھا دوں۔"

"تم کچھ بھی کروڑ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔" انہوں نے بے پروائی سے کہا۔

"تم تین کروڑ کی کوٹھی ایک کروڑ میں خریدنا چاہتے ہو؟ کوڑیوں کے مول؟ شرم کرو شوکت علی!" بیگم رشیدہ بانو نے تنگ کر کہا۔

"یہ پرانی کوٹھی ہے' اس کے اتنے ہی دام مل سکتے ہیں' دوسرا تو شاید ستر لاکھ بھی نہ دے۔ میں اس لئے اس کے ایک کروڑ دے رہا ہوں کہ بھائی جان کی اس مشکل گھڑی میں مدد ہو جائے گی۔" شوکت علی نے اپنا احسان جتایا۔

"بھائی جان! آپ اپنا دفتر میرے ہاتھ بیچیں گے کسی اور کے نہیں۔" عنایت علی نے خالص کاروباری لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے رعایتی قیمت پر نہیں خریدوں گا۔ میں بازار سے زیادہ قیمت دے کر خریدنے کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے آپ کی چیز ہمارے پاس رہے گی۔ آپ کی یاد دلاتی رہے گی۔"

"اس احسان عظیم کی کوئی ضرورت نہیں چچا جان!" کاشف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "ہماری اپنی مرضی ہو گی کہ یہ کوٹھی اور دفتر جسے چاہیں دیں لیکن آپ لوگوں کے ہاتھ نہیں بیچیں گے۔ چاہے ہمیں انہیں کوڑیوں کے دام کیوں نہ فروخت کرنا پڑے۔"

"آپ کی لانچ اور ساری گاڑیاں میں خرید لوں گا۔" ان کے بہنوئی نجم الہدیٰ نے پیشکش کی۔ "آپ کل صبح ان کی قیمت کا چیک مجھ سے لے لیں' میں آپ کی یہ مدد کر سکتا ہوں۔"

"بھائی!" افروزہ بیگم نے کہا۔ "اگر تمام زیورات بیچ رہے ہیں تو سب سے پہلے مجھے دکھایا جائے۔ میں تمام زیورات خرید لوں گی تاکہ زرنگار اور شاہدہ کی شادی میں جہیز میں دے سکوں' اس کی ادائیگی بھی کل ہی ہو جائے گی۔"

"زیورات .... ہاں ہم تمام زیورات اور نوادر بھی فروخت کر رہے ہیں۔" ان کا لہجہ زخم خوردہ تھا۔ "اس کے علاوہ گھر کی تمام چیزیں بھی بیچ رہے ہیں۔ ہم یہاں سے صرف تن کے کپڑوں میں جائیں گے۔ اس لئے کہ مجھے دو کروڑ کا قرض ادا کرنا ہے اور ایک کروڑ میں سے پچاس لاکھ کی رقم سے دوستوں کے قرض کی ادائیگی کرنا ہے۔ باقی رقم

سے گھر لینا اور کاروبار شروع کرنا ہے۔ لہٰذا جس جس کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ کل اس کا سودا کر لے اور اس کی نقد ادائیگی کر دے۔ اسی وقت وہ چیز دے دی جائے گی۔"

"گزشتہ سال نازنین کی شادی کے لئے جو زیورات بنائے گئے تھے وہ بھی فروخت کر دیں گے نا؟" افروزہ بیگم نے پوچھا۔ "وہ سات لاکھ کی مالیت کے زیورات تھے' میں اس کے پانچ لاکھ تک دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"جی ہاں وہ بھی۔" نازنین نے تلخی سے کہا۔ "مجھے ان زیورات کے مقابلے میں ابو کی عزت اور زندگی بہت پیاری ہے۔"

"انکل!" سعید کبیر نے بڑی اداسی سے کہا۔ "پلیز! کوئی اور صورت کریں۔ میں کہیں سے کچھ رقم کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس گھر اور اس کی چیزوں کو آپ کوڑیوں کے دام نہ بیچیں۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ تیس برسوں کی محنت اور حلال کی کمائی کا ہے۔ ان چیزوں کے اس طرح فروخت ہونے سے کتنی رقم ہاتھ آئے گی۔ یہ سب یہودی اور مہاجن کی طرح آپ کو حقیر بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"تھوڑا تھوڑا بہت ہوتا ہے بیٹے؟" وہ پُراعتماد لہجے میں کہنے لگے۔ "تمہارا یہ جذبہ سلامت رہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت نظر نہیں آتی ہے۔ میں اللہ کی ذات سے کبھی مایوس نہیں ہوا اور نہ آج ان حالات میں ہو رہا ہوں۔ وہ بڑا مسبّب الاسباب ہے۔ شاید اس آزمائش میں اس کی کوئی مصلحت ہے۔ شاید میری کسی بہتری کے لئے ہے۔ اس نے چاہا تو میں پھر سے سنبھل جاؤں گا۔" انہوں نے توقف کر کے گہرا سانس لیا۔ "مجھے دولت کے جانے' نقصان ہونے اور سب کچھ بیچنے کا اتنا غم نہیں جتنا اپنی بہن اور بھائیوں کی خودغرضی سے ہو رہا ہے۔ میں نے ان کے گھروں کو خون سے سینچا ہے۔ اس کا صلہ آج مجھے کیا مل رہا ہے؟ مجھے سر چھپانے کے لئے جگہ بھی نہیں دی جا رہی ہے' کڑے وقت میں خون کا رشتہ بھی کام نہیں آ رہا ہے۔ ان کا خون سفید ہو گیا ہے۔ خدا ان پر رحم کرے۔"

سنگیت ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر بڑے باوقار انداز' تمکنت اور اعتماد سے چلتی ہوئی ان کے پاس آئی۔ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ پھر اس نے بڑی

نرمی اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "ابو! آپ کو نہ تو کوٹھی فروخت کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ جائیداد' نہ دفتر' نہ گاڑیاں' نہ زیورات اور نوادر' نہ لانچ .... گھر کا ایک سامان بھی فروخت نہیں ہو گا۔"

"محمد علی! اس کی بات مان لو۔" افروزہ بیگم نے استہزائی لہجے میں کہا۔ "یہ دو ٹکے کی ماسی گھروں میں برتن مانجھ کر اور بازاروں میں اپنے حسن کی نمائش سے بھیک مانگ کر اور شاید اپنے آپ کو بیچ کر........."

سنگیت ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کوندا بن کر افروزہ بیگم پر لپکی اور اس نے قریب پہنچ کر ان کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ پھر وہ نفرت' حقارت اور غصے سے بولی۔ "اگر آپ نے میرے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو میں آپ کا منہ توڑ کے رکھ دوں گی۔" پھر وہ کسی شیرنی کی طرح غضبناک ہو کر انہیں گھورنے لگی۔

سنگیت کے ایک تھپڑ نے ان کے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔ وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئیں۔ پورے ماحول پر دہشت سی چھا گئی اور سب کو سانپ سونگھ گیا۔ اس کا غصہ دیکھ کر کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کوئی اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ سنگیت اس وقت ایک نئی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ بے حد خطرناک' سنبھلی ہوئی' گہری' اب وہ دبی دبی سی لڑکی نہیں تھی۔ شعلۂ مجسم بنی کھڑی تھی۔

پھر سنگیت نے ان کے پاس آ کر ایک چیک ان کی طرف بڑھایا۔ "ابو! یہ لیجئے یہ پانچ کروڑ ٹاکا کا چیک ہے۔ آپ تمام قرض ادا کر کے اپنا کاروبار پھر سے اور ایک نئے عزم و حوصلے سے شروع کیجئے۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔"

"پانچ کروڑ ٹاکا کا چیک.........؟" محمد علی خوند کر کی نظروں کے سامنے کوندا سا لپکا۔ انہیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ کہیں یہ خواب تو نہیں ہے؟ صرف ایک ان پر نہیں بلکہ ساری محفل پر سکتہ طاری تھا۔ ہر کوئی اپنی جگہ دم بخود تھا۔ ششدر تھا۔ تمام رشتہ داروں پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری تھی۔ سبھی پھٹی پھٹی نظروں سے سنگیت کو دیکھ رہے تھے جو ایک شہزادی کی طرح تمکنت اور شان سے کھڑی تھی۔ وہ بہت اونچی نظر آ رہی تھی۔ اس نے ان کے خوابوں کو جیسے پیروں تلے روند کر رکھ دیا تھا۔

انہوں نے چیک دیکھا۔ اس پر پانچ کروڑ کی رقم درج تھی۔ اس پر نکھار کارپوریشن پرنٹ تھا۔ اس پر نکھار کے دستخط تھے۔ وہ ششدر ہو کر بولے۔ "اس پر نکھار خالد کے دستخط ہیں' تمہارا اس فرم سے کیا تعلق ہے؟"

"میرا اصل نام نکھار خالد ہے اور میں اس کی تنہا مالک ہوں۔" سنگیت مسکرائی۔ "آپ کو مجھ سے مزید جتنی رقم چاہئے لے سکتے ہیں۔ تین کروڑ پانچ کروڑ .... میری ساری دولت' جائیداد اور کاروبار آپ جیسے عظیم باپ پر نچھاور ہے۔"

"میری بیٹی!" انہوں نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔ ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

بیگم رشیدہ بانو' نازنین' ثمرین اور کاشف اس کے پاس آ گئے۔ ان کے چہرے دمک رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں جو چراغ بجھ گئے تھے وہ جل اٹھے۔ حیرت اور مسرت سے ان کی عجیب و غریب کیفیت ہو رہی تھی۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی سندر سپنا دیکھ رہے ہوں۔

"مگر بیٹی!" وہ تذبذب سے بولے۔ "ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ ایک ارب پتی لڑکی ماسی کے روپ میں کیسے؟"

"میں آپ کو بعد میں اپنی کہانی سناؤں گی۔" سنگیت بولی۔ "آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ کل دن ڈوبنے سے پہلے پہلے آپ کی کوٹھی خالی کر دیں۔ یہ اس لائق بالکل نہیں ہیں کہ ایک لمحے کے لئے بھی برداشت کیا جائے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی!" انہوں نے سر ہلایا۔ پھر وہ اپنی بہن اور بھائیوں سے بولے۔ "کل شام تک کوٹھی خالی کر کے چلے جائیں۔ ورنہ میں اپنے ملازمین کو بلا کر سب کا سامان سڑک پر پھنکوا دوں گا۔ میں اب تم لوگوں کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا ہوں۔"

وہ سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھے۔ ان کے چہروں پر ندامت کی سرخی اور تاسف تھا۔ وہ پھر چہ میگوئیاں کرتے' سنگیت کو حیرت اور غصے سے دیکھتے ہوئے ایک ایک کر کے نکل گئے۔ وہ بازی ہار چکے تھے۔ ذلیل بھی ہو گئے تھے۔

سارے گھر اور ماحول پر جو وحشت اور غم کے بادل چھائے ہوئے تھے ایک دم سے

چھٹ گئے تھے۔ آسمان صاف و شفاف ہو گیا تھا۔ ساری فضا اور ماحول پر دھنک کے سارے رنگ چھانے لگے۔

سعید کبیر نے اپنی باس کو پُرستائش نظروں سے دیکھا جو ان کی محبت تھی‘ خواب تھی۔ وہ ششدر سے تھے۔ آج ان پر یہ عقدہ کھلا کہ اتنی بڑی فرم میں انہیں اتنا بڑا عہدہ اور ملازمت کیسے اور کس لئے مل گئی تھی۔ انہیں یہ سب کچھ عجیب اور کسی فلم کی کہانی کی طرح لگ رہا تھا۔ سنگیت کا یہ نیا جلوہ تھا۔ وہ جتنی حسین تھی اس کا دل بھی اتنا ہی حسین تھا۔ وہ اسے مسحور سے ہو کر دیکھ رہے تھے۔

”میں نے تمہیں عجیب و غریب نادر سمجھ لیا تھا اور مجھے تم پر شک تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو دکھائی دیتی ہو۔“ کاشف نے کہا۔

”پہلے تم مجھے اپنے بہروپ کے بارے میں بتاؤ ورنہ میں ساری رات سو نہ سکوں گی۔“ بیگم رشیدہ بانو بولیں۔

”بات صرف اتنی سی ہے امی جان!“ سنگیت کہنے لگی۔ ”میری امی اس وقت فوت ہو گئی تھیں جب میں دس برس کی تھی۔ ابو کے انتقال کے وقت میں اٹھارہ برس کی تھی۔ ابو مرحوم مجھے چودہ برس کی عمر ہی سے کاروبار کے اسرار و رموز بتانے لگے۔ مجھے دفتر لے جانے لگے تھے۔ کیونکہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ ابو کے انتقال کے بعد چچا کی وجہ سے مجھے بڑا سہارا ملا۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر میں نے اپنا کاروبار سنبھال لیا۔

چونکہ کاروبار پرانے‘ مخلص اور دیانتدار سٹاف کی وجہ سے ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ دوسری طرف میرے خاندان کے لڑکے میری دولت اور خوبصورتی کی وجہ سے مجھ سے شادی کے خواہش مند تھے۔ میں بھی شادی کر کے اپنا گھر بسانا چاہتی تھی مگر کوئی مناسب ساتھی میسر نہ آیا۔ جسے دیکھو وہ دولت کے لئے اندھا ہو رہا تھا۔ پھر میری سیمابی طبیعت نے مجھے کئی بہروپ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے جوڈو کراٹے سیکھنے کے بعد ایک گھر میں ایک دو مہینے کام کیا۔ پھر ایک پروفیسر صاحب کے ہاں .... پھر میں نے ایک ہسپتال میں ایک نرس کی ملازمت اختیار کی تاکہ مریضوں کی خدمت کر سکوں۔ جب میں نے ڈاکٹروں

اور ڈاکوؤں میں کوئی فرق نہیں پایا تو ملازمت کو خیرباد کہہ دیا۔ پھر میں نے دو تین گھروں میں کچھ عرصہ ماسی کا کام کیا۔

میں ایک ایسے گھر کی تلاش میں تھی جہاں میں بیٹی بن کر رہوں۔ مجھے ماں باپ‘ بھائی بہن کے انمول پیار کی ضرورت تھی۔ یوں تو دولت کی وجہ سے ہزاروں والدین مل جاتے لیکن میں یہ چاہتی تھی کہ مجھے ایسے والدین ملیں جن کی محبت بے غرض ہو۔ ان میں اخلاص اور بے لوث محبت ہو‘ مامتا ہو۔ میں ان کی گھنی چھاؤں میں زندگی گزاروں۔ دوسری طرف مجھے ایک رفیق سفر کی بھی تلاش تھی۔ میرا کوئی آئیڈیل نہ تھا۔ خوبصورت اور وجیہہ مرد کی تلاش نہ تھی۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ ایک سیدھا سادا‘ پُرخلوص اور محبت کرنے والا ہو۔ وہ مجھے ایک ماسی کے روپ میں قبول کر لے۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ مجھے دولت سے قطعی دلچسپی نہ تھی۔ مجھے یہ بہت ہی بیکار سی شے لگی تھی۔ دولت آسائش اور حسین زندگی تو دے سکتی ہے لیکن روح کو سیراب نہیں کر سکتی ہے۔ میں نے موسیقی بہت بڑے استادوں سے سیکھ رکھی تھی۔ جو میری تنہائی میں مجھے سکون پہنچاتی تھی۔ میرے اندر کوئی صحرا مجھے بھٹکاتا رہا۔ میں اپنی عجیب و غریب طبیعت کے باعث ماسی بن کر زندگی گزارتی رہی۔ آخر ایک روز میرا خواب پورا ہو گیا۔“

سنگیت نے توقف کر کے گہرا سانس لیا۔ پھر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”مجھے ایک روز ایک کمزور لمحے نے ابو سے ملا دیا۔ انہیں دیکھ کر مجھے اپنے ابو یاد آ گئے۔ ان کی میرے ابو سے گہری مشابہت تھی۔ پھر مجھے جیسے سب کچھ مل گیا۔ میں ان کے ساتھ چلی آئی۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس گھر میں ہر قیمت پر اپنی زندگی گزاروں گی۔ نفرت کا جواب بھی محبت سے دوں گی۔ اگر میرے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا تو اسے بھی برداشت کر لوں گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابو نے صرف رسمی طور پر بیٹی نہیں کہا بلکہ مجھے سگی بیٹی بنا لیا۔ وہ محبتیں دیں جو ایک سگا باپ ہی دے سکتا تھا۔ پھر انہوں نے میری خاطر اپنے خاندان کو بھی ناراض کیا۔ ان کی نفرت مول لی۔ مجھے جو عزت‘ مقام اور حیثیت دی گئی کیا میں اسے کبھی بھول سکتی ہوں؟ کبھی نہیں‘ جہاں سگے ماں باپ ہوں۔ نازنین جیسی بہن ہو‘ کاشف جیسے بھائی‘ ایک پُرخلوص بھابی جن کے دل میں میرے لئے

مامتا ہو۔ آپ لوگ میرے لئے کروڑوں کی دولت سے بڑھ کر ہیں۔"

"تم کتنی عجیب قسم کی نادر بیٹی ہو۔" وہ محبت بھرے لہجے میں بولے۔ "اتنی سی بات پر مجھے کروڑوں کی رقم اٹھا کر دے دی۔ میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی انوکھی لڑکی نہیں دیکھی۔"

"اس سے کہیں انوکھی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس پاگل لڑکی نے کبیر بھائی کو پسند کر کے اپنے ہی دفتر میں ملازمت دی تاکہ وہ ساری زندگی اسے ٹیوشن پڑھاتے رہیں۔" نازنین شوخی سے بولی۔ سب اس کی بات سن کر ہنسنے لگے۔

سنگیت سرخ ہو گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا لی۔ سعید کبیر اس لڑکی کے چہرے پر حیا کا نکھار دیکھ کر مسحور ہو گئے۔

☆====== ختم شد ======☆